احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

دسمبر 2022ء

علم: وسعتِ نظری اور تحرک کا نام ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

تدریس اور اختلاف کے آداب

اتباعِ رسول ﷺ اور تقاضائے محبت

انسانی اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل

پاکستان کا معاشی بحران اور اس کا حل

قانون کی پاسداری اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ

کانووکیشن منہاج یونیورسٹی لاہور 2022ء

بفیضانِ نظر
حضرت سیدنا قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز
زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ
زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین
ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 36 / شمارہ: 1 / ۱۴۴۴ھ جمادی الاول / دسمبر 2022ء

چیف ایڈیٹر نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسنِ ترتیب

اداریہ: قانون کی پاسداری اور بانی پاکستان قائداعظمؒ	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: علم؛ وسعتِ نظری اور تحرک کا نام ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
الفقہ: نوجوان نسل پر ثقافتی اور نظریاتی حملوں کا تدارک	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	13
تدریس اور اختلاف کے آداب	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	16
پاکستان کا معاشی بحران اور اس کا حل	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	24
انسانی اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	31
اِحیائے سنت اور اتباعِ رسول ﷺ: تقاضائے محبت	محمد ذکوان ندوی	35
منہاج یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام ورلڈ ریلجنز کانفرنس	نور اللہ صدیقی	40
کانووکیشن منہاج یونیورسٹی	نور اللہ صدیقی	42
اشاریہ ماہنامہ منہاج القرآن 2022ء		44

کمپیوٹر آپریٹر محمد اشفاق انجم گرافکس عبدالسلام
خطاطی محمد اکرم قادری عکاسی قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

وہی خدا ہے جو رحمتوں کے بھرے خزانے لٹا رہا ہے
جو دستِ قدرت سے ہر کسی کو کھلا رہا ہے پلا رہا ہے

اسی کے دم سے ہے زندگانی عطا اسی کی ہے دانہ پانی
وہی نگاہِ کرم سے اپنی نظامِ ہستی چلا رہا ہے

نہاں نظر کی ہے وسعتوں سے عیاں ہے وہ اپنی قدرتوں سے
"سمجھ سے بالا ہے ذات اُس کی مگر دلوں میں سما رہا ہے"

نجات الم سے جو چاہتے ہو درِ خدا پر جبیں جھکاؤ
ہے مونسِ مبتلائے غم وہ گرے ہوؤں کو اٹھا رہا ہے

کریں ادا اس کا شکر کیسے جو اپنے لطف و کرم کے صدقے
بچا کے شیطاں کی یورشوں سے رہِ ہدیٰ پر چلا رہا ہے

کہاں تراکیبِ حرف و معنیٰ کہاں بیانِ جمالِ جاناں
خوشا کہ مجھ ایسے بے ہنر سے ثنا وہ اپنی لکھا رہا ہے

نہ ہوگا ہمذآنی غم بد اماں نہ ہوگا محشر میں بھی پریشاں
وسیلۂ حمد و نعت سے جو نصیب اپنا جگا رہا ہے

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذآنی﴾

میرے حضور ﷺ

ہر گھڑی امتحاں میں رہتا ہوں
پھر بھی انؐ کی اماں میں رہتا ہوں

میں یہاں سے وہاں، جہاں جاؤں
نعت کے گلستاں میں رہتا ہوں

اس پہ سایہ ہے انؐ کی رحمت کا
آس کے جس مکاں میں رہتا ہوں

انؐ کا ہوں اور انہیؐ کے در پر ہوں
مَیں یقیں کے گماں میں رہتا ہوں

میرے مولا ہیں جانتے مجھ کو
شفقتِ بیکراں میں رہتا ہوں

اہل دنیا میں اجنبی ہوں مَیں
شورِ سود و زیاں میں رہتا ہوں

باسی بن جاؤں مَیں مدینے کا
ہر گھڑی اِس فغاں میں رہتا ہوں

جانے والا ہوں اس جہاں سے مَیں
فکرِ روزِ گراں میں رہتا ہوں

حرفِ حمد و ثنا ہے رختِ سفر
مدحتوں کے بیاں میں رہتا ہوں

دمِ آخر کہوں مَیں نعت عزیزؔ
لمحۂ جاوداں میں رہتا ہوں

﴿شیخ عبدالعزیز دباغ﴾

اداریہ

قانون کی پاسداری اور بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کا 146واں یوم پیدائش جوش و خروش کے ساتھ منایا جارہا ہے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت جب بھی تصور میں ابھرتی ہے تو ایک قانون پسند شخصیت کا مضبوط تاثر جنم لیتا ہے۔ ایک ایسی شخصیت جس نے نازک سے نازک مرحلہ پر بھی کبھی قانون ہاتھ میں لیا اور نہ ہی کسی بڑے سے بڑے مقصد کے حصول کی خاطر کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دی۔ بانئ پاکستان ایک قانون دان تھے اور انہوں نے ہر موقع پر اخلاقی رویوں اور قانون کی عمل داری کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تحریک پاکستان کی ساری جدوجہد قانون، اخلاق اور جمہوری اقدار کے دائرے میں روبہ عمل نظر آتی ہے۔ بانی پاکستان جن قوتوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد کررہے تھے، ان کے نزدیک جائز اور ناجائز کی کوئی بحث روا نہیں تھی، وہ حلال اور حرام کے کسی تصور اور تذکرہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کے نزدیک طاقت کے ذریعے کمزور کو دبانے اور مقصد حاصل کرنے کی ڈاکٹرائن ہی ایک ابدی حقیقت تھی۔ برصغیر کے استحصالی مقتدر حلقے کسی اخلاقی قوت کے ساتھ برصغیر پر قابض ہوئے اور نہ ہی انہوں نے کسی اخلاق اور قانون کے تحت اپنی حکومتی عمارت کھڑی کی۔ انہوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لئے ہر ناجائز کو جائز سمجھا اور اپنے اقتدار کے غلبہ کے لئے برصغیر میں آباد انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا۔ ایک قابض اور غاصب کی حیثیت سے وہ سب کچھ کیا گیا جو ایک غاصب کسی خطہ پر قابض ہونے کے بعد کرتا ہے۔ لامحالہ جب کسی قابض اور غاصب کے خلاف مزاحمت یا جدوجہد سر اٹھاتی ہے تو اُس میں تشدد اور سختی کا عنصر فطری اعتبار سے نمایاں ہوتا ہے اور ایسی جدوجہد تیغ و تفنگ کے بغیر نتیجہ خیز نہیں سمجھی جاتی مگر ان تمام تاریخی اور زمینی حقیقتوں اور صداقتوں کے باوجود بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کسی نازک سے نازک مرحلہ پر بھی قانون کو ہاتھ میں لیا اور نہ کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دی۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک صاحب مطالعہ شخصیت تھے انہوں نے جہاں شرق و غرب کی فلاسفی اور قانونی ابحاث کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا تھا وہاں وہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی گفتگو میں قرآن مجید کے حوالہ جات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک سنتوں کا تذکرہ اور آپ ﷺ کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ ان کے اندر قانون کا احترام اور امن پسندی اسلام کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ تھی۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کس قدر قانون کا احترام کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک ہوشربا اور فکر انگیز واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے: رفیق نامی ایک شخص ملاقات کے بہانے آیا اور اس نے موقع پاتے ہی تیز دھار آلے سے بانی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عظیم ہستی کو کسی بڑے مقصد کے لئے زندگی کی نعمت عطا کی تھی، اُسی مالک کائنات نے بانی پاکستان کی حفاظت کا راستہ نکالا اور بانی پاکستان عمر رسیدہ ہونے کے باوجود جواں سال قاتل کے شہ رگ پر کئے جانے والے کاری وار کو ناکام بنانے میں کامیاب ہوگئے اور اس قاتلانہ حملہ میں آپ معمولی زخمی بھی ہوئے۔ حملہ کے دوران شور وغوغا اٹھنے پر آس پاس کام کرنے والے خدمات گار فوراً بانی پاکستان کی طرف لپکے اور انہوں نے قتل کی نیت سے حملہ آور ہونے والے شخص پر قابو پا لیا۔ اس نازک ترین مرحلہ پر بھی بانی پاکستان ہوش وحواس میں رہے اور اس موقع پر آپ نے اپنے محافظوں کو جو حکم دیا، وہ یہ تھا کہ قتل کی نیت سے آنے والے اس شخص کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، اس کے ساتھ جو معاملہ بھی ہوگا، وہ قانون کے مطابق ہوگا اور

پھر انہوں نے مجرم کو مقامی پولیس سٹیشن کے حوالے کر دیا۔

بانی پاکستان پر حملہ کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اب بانی پاکستان کو دوسری تشویش یہ لاحق ہوئی کہ مجھ سے محبت کرنے والے لاکھوں مسلمان کہیں ردعمل میں کسی کو نقصان نہ پہنچا دیں یا کوئی لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ کھڑا نہ ہو جائے۔ اس خدشے کے پیش نظر بانی پاکستان نے دوسرا بیان جو پریس کو جاری کیا، وہ مسلمانوں کو پرامن رہنے کے متعلق تھا اور آپ نے بیان جاری کیا کہ میں خیریت سے ہوں اور کوئی کسی کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ ہی قانون کو ہاتھ میں لے۔ ایسے پہاڑ صفت حوصلے اور قانون پسند لوگ ہی انسانیت کا وقار ہوتے ہیں اور اشرف المخلوقات ہونے کی صفت پر پورا اترتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے کردار اور عمل سے قوموں اور تاریخوں کا رخ بدل دیتے ہیں اور اس عارضی دنیا میں ہمیشہ کے لئے امر ہو جاتے ہیں۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی امن اور قانون پسندی کے مظاہر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دامت برکاتہم العالیہ کے ہاں بکثرت ملتے ہیں۔ شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ بھی ایک وکیل اور قانون دان ہیں۔ آپ نے بھی استحصالی قوتوں کے خلاف تاریخِ پاکستان کی بے مثل اور پرامن جدوجہد کے مثالی باب رقم کئے۔ آپ پر بھی قاتلانہ حملے ہوئے، دھمکیوں کے تار آئے، خطوط لکھے گئے، میڈیا مہمات لانچ کی گئیں مگر آپ نے بھی ہمیشہ اپنے کارکنان کو پرامن رہنے اور قانون ہاتھ میں نہ لینے کی ہدایت کی۔ یہاں تک کہ قومی ایشوز پر آپ نے لاکھوں افراد کے ہمراہ جدوجہد بھی کی اس جدوجہد کے دوران آپ کا اپنے کارکنان کو ایک ہی حکم ہوتا تھا کہ کوئی گملا نہ ٹوٹنے پائے اور کوئی پتہ نہ گرنے پائے۔ یہ احکامات ایسے حالات میں جاری کئے جاتے رہے، جب مخالفین نے معصوم کارکنوں کا خون پانی کی طرح بہایا اور ظلم کو اس کی ہر شکل کے ساتھ آزمایا مگر شیخ الاسلام نے کبھی اپنی قانون اور امن پسندی کی فکر پر سمجھوتہ نہیں کیا۔

لیڈران کے انہی رویوں سے قومیں نمو اور بقا پاتی ہیں۔ افسوس آج معمولی سے مفادات کے لئے عوامی جذبات سے کھیلا جاتا ہے اور اس کے لئے مذہب کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ امن قائم کرنا جن کی ذمہ داری ہوتی ہے، شومئی قسمت کہ وہی لوگ فساد فی الارض کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ شاید انہی متشدد اور بے رحم رویوں کا نتیجہ ہے کہ پاکستان آج بھی کولہو کے بیل کے سفر پر ہے اور اس سفر کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ پاکستان انہی متشدد رویوں کی وجہ سے ان ممالک سے بہت پیچھے رہ گیا جو ہم سے بہت بعد میں آزاد ہو کر بہت آگے بڑھ گئے۔ دنیا کی کوئی ایسی سماجی، سیاسی ڈاکٹرائن نہیں ہے جو امن اور خوشحالی کے لئے جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کو سپورٹ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو انہوں نے سب سے پہلے امن کے قیام پر توجہ دی اور متحارب قبائل کی صلح کروائی اور مدینہ کے ہر شہری کے جان، مال، عزت، کاروبار، مذہبی و ثقافتی روایات کو تحفظ دیا تاکہ امن قائم ہو۔ امن ہی ترقی اور خوشحالی کا پہلا زینہ ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری رواں صدی میں امن کے سب سے بڑے پیامبر ہیں۔ انہوں نے فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے لئے سیکڑوں کتب تحریر کیں، امن نصاب اور ہزار ہا لیکچرز دیئے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک محفوظ اور خوشحال نہیں ہوسکتا جب تک وہ قانون کی بالادستی کو دل و جان سے قبول نہ کر لے۔ اللہ رب العزت بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کی لحد کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنائے۔ (چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

تعلیم اور علم میں فرق؟

تعلیم علم کی طرف لے جانے والا ایک راستہ ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا اہم علمی وفکر انگیز خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین..... معاون: محبوب حسین

علم کی ترقی کے مراحل کیا ہیں؟ اور ہماری زندگیوں اور معاشرے پر علم کا کیا اثر ہونا چاہیے؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات سے آگاہی ہر طالبعلم کے لیے ضروری ہے۔ ڈگری؛ Education (تعلیم) کے ایک مرحلے کی تکمیل ہے مگر تعلیم (Education)؛ علم (Knowledge) کو نہیں کہتے بلکہ Education ایک رسمی مرحلہ (formal process) اور ایک راستہ (Path) ہے جو علم کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یونیورسٹی، تعلیمی ادارے، اساتذہ، نصاب، ماحول، لائبریریز، لکھنا، پڑھنا اور سننا یہ تمام مراحل، تعلیم کا حصہ ہیں اور تعلیم ہمیں علم کی طرف لے جاتی ہے۔ تعلیم بذاتِ خود (itself) علم نہیں ہے بلکہ علم کا راستہ ہے۔ علم کی مختلف Forms اور مظاہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم مختلف شکلوں؛ آرٹس، سائنس، تاریخ، سوشیالوجی، میڈیکل سائنس، باٹنی، بیالوجی، زوالوجی، مائیکرو بیالوجی، فزکس، کیمسٹری، بائیوکیمسٹری اور مینجمنٹ سائنس وغیرہ میں reflect کرتا ہے اور اس سے ان مختلف مضامینِ علم کا ظہور ہوتا ہے۔

علم اور اس کے مختلف مظاہر

علم کا مطلب ہے: جاننا۔ جب بندہ اپنے آپ کو جاننا چاہتا ہے تو علم کا ظہور کسی اور شکل میں ہوتا ہے۔۔۔ جب بندہ کائنات کو جاننا چاہتا ہے تو علم کا مظہر (manifestation) بدل جاتا ہے۔۔۔ جب بندہ رحمِ مادر میں اپنی تخلیق کی ابتدا کو جاننا چاہتا ہے تو اس کا manifestation ظہور تبدیل ہوجاتا ہے۔۔۔ جب کائنات کی تخلیق کو جاننا چاہتا ہے تو اس کی (forms) شکلیں تبدیل ہوجاتی ہیں۔۔۔ جب بندہ اس کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کو جاننا چاہتا ہے تو اس کا reflection تبدیل ہوجاتا ہے۔۔۔ یہ کائنات خود وجود میں آئی یا کوئی وجود میں لایا؟ یہ کائنات کس مقصد کے لیے وجود میں آئی؟ میرا رشتہ اس کائنات کے ساتھ کیا ہے؟ میری زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ مرنے کے بعد میں ختم ہوجاؤں گا یا رہوں گا؟ اس کی شکل کیا ہوگی؟ اس زندگی اور اس زندگی کا کوئی تعلق ہے؟ اگر ان عوامل کو جاننا چاہتا ہے تو اس علم کا manifestation بدل جاتا ہے۔۔۔ زندگی خوبصورت کیسے بنے اور بدصورت کیسے ہوتی ہے؟ زندگی سے انسانیت کو فائدہ کیسے پہنچے اور نقصان کیسے پہنچتا ہے؟ اس حوالے سے سوچے گا تو manifestation تبدیل ہوجائے گا۔۔۔ اس لیے میڈیکل سائنس، انجینئرنگ، سوشل اور ہیومن سائنسز یہ تمام بذاتِ خود (itself) علم نہیں ہیں بلکہ یہ سب علم کے مظاہر (forms and manifestation) ہیں۔

جب ان تمام یونٹس کو ضم (integrate) کرتے ہیں اور

☆ خطاب نمبر: If-44، تاریخ: 25 نومبر 2018ء، کانووکیشن منہاج یونیورسٹی لاہور

ایک جامع وحدت (comprehensive oneness) بناتے ہیں تو اس جامع وحدت کو ''علم'' کہتے ہیں۔ چھ، سات، آٹھ، نو یا سولہ سترہ سال کا جو عرصہ ہم سکولز، کالجز یا یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں تو یہ عرصہ ہمیں علم کی طرف بڑھنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ Education gives us ability of learning۔ یہ نظامِ تعلیم ہمیں سیکھنے کی قابلیت دیتا ہے تاکہ ہم سیکھیں۔

سیکھنے کے مراحل

ہر شخص جو اس تعلیمی مرحلہ (educational process) میں داخل ہوجاتا ہے، لازمی نہیں کہ وہ سیکھ بھی لے۔ سیکھنے کے لیے طالب علم کا رویہ، اس کی طلب، اس کی پیاس اور ماحول نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ سارے عوامل اس کی learning کو facilitate کرتے ہیں۔ سیکھنے کے درج ذیل مراحل ہیں:

ا۔ فہم ومعرفت

جب آدمی سیکھتا ہے تو یاد رکھیں! learning انسان کو سمجھنے (understanding) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ learning (سیکھنا) بندے کو معرفت دیتی ہے۔ معرفت کے لیے ضروری ہے کہ جو چیز پڑھائی گئی، اس کو سمجھ جائیں کہ یہ اصل میں کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ کہاں سے بنی اور کس مقصد کے لیے بنی؟ اس کے فوائد اور نقصانات کیا ہیں؟ الغرض جب ہمیں اس کی پہچان ہو جاتی ہے یا سمجھ آ جاتی ہے تو اسے معرفت کہتے ہیں۔

۲۔ گہری سوچ

پھر یہ معرفت (Understanding) ہمیں گہری سوچ (deep thinking) کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یعنی معرفت کے بعد ہی بندہ گہرائی میں جاکر اس حقیقت کا ادراک کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس deep thinking کے لیے مراقبہ کیا جاتا ہے۔

یاد رکھیں! ہم کوئی بھی چیز اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک دیوانہ وار اس کو نہ چاہیں، اس کے ساتھ عشق نہ ہو اور وہ عشق جنون کے درجے کا نہ ہو۔ میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک واقعہ بتاتا ہوں۔ یہ بات زمانہ طالب علمی کی ہے کہ میں صبح کے ایک ہلکے سے ناشتے کے علاوہ تین تین دن تک کھانا نہیں کھاتا تھا کہ میری ساری سیرابی پڑھنے سے ہوجاتی تھی۔ پڑھنا میری بھوک کو ختم کردیتا تھا اور میرے کلاس فیلوز اس بات کے گواہ ہیں کہ اس کھانا نہ کھانے سے جو پیسے بچتے تھے، میں ان سے کتابیں خریدتا تھا۔ چوتھے دن کھانا کھاتا اور پھر اگلے تین دن فاقہ کرتا۔ گھر سے پیسوں کی کمی نہیں تھی اور سکالر شپ بھی ملتا تھا۔ سکالر شپ کے پیسے غریب کلاس فیلوز پر خرچ کرتا تھا اور گھر سے بھیجے گئے پیسوں سے کتابیں خریدتا تھا اور اس فاقے میں اتنا سیر ہوتا تھا کہ بھوک بھی نہیں لگتی تھی اور کمزوری بھی نہیں ہوتی تھی۔

سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جب ہمیں کسی چیز کی طلب ہوتی ہے تو یہ طلب تڑپ میں بدلتی ہے اور جب یہ تڑپ پیاس میں بدل جائے، عشق اور جنون بن جائے تو پھر یہ خیال نہیں رہتا کہ کیا کھایا اور کیا نہیں کھایا۔ جنون کی حد تک گئے بغیر ہم جس شے کو لینا چاہتے ہیں، وہ نہیں ملتی۔ مجنوں بنے بغیر لیلیٰ نہیں ملتی۔۔۔ عاشق بنے بغیر رب نہیں ملتا اور رب کی نشانی نہیں ملتی۔ کسی شے کا قرب اس وقت تک نہیں ملتا جب تک طلب؛ عشق سے بڑھ کر جنون میں داخل نہ ہوجائے۔

ایک خاص توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ نخرے سے علم نہیں آتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ نخرہ بھی رہے اور علم بھی حاصل ہو، ایسا نہیں ہوتا۔ یاد رکھ لیں! علم اور نخرہ اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ علم کا اپنا نخرہ ہی بہت ہے۔ علم ایک بہت بڑی دولت ہے۔ یہ اللہ کی صفات (attributes) میں سے ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. (الرحمن، ۵۵: ۱، ۲)

''(وہ) رحمٰن ہی ہے۔ جس نے (خود رسولِ عربی ﷺ کو یا ان کے ذریعے اِنسان کو) قرآن سکھایا۔''

اللہ معلم ہے اور اس نے اپنی تعریف علم کے حوالے سے کی ہے اور قرآن کو علم کہا ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف بھی علم سے کی ہے۔ یاد رکھیں! فوق کل ذی علم

علیم ۔ لہٰذا علم کی کوئی حد نہیں ہے اور یہ انتہائی بلند شے ہے۔ وہ شخص جو زمانے کی گرم سرد ہواؤں کا گلہ کرتا ہے، بھوک پیاس کی شکایت کرتا ہے کہ ''فلاں شے نہیں ملی، فلاں ختم ہوگئی، اب کیا کروں'' تو اس طرح کے شکوے شکایات سے تنگ آکر علم کہتا ہے: ''جا! میں نے تیرے ساتھ نہیں رہنا۔'' جو تھکتا ہے، اکتاتا ہے یا نخرے دکھاتا ہے علم اس کے پاس نہیں آتا بلکہ علم اپنے حقیقی طلبگار کی تلاش میں رہتا ہے۔

۳۔ تفکر اور احساس

گہری سوچ(deep thinking) سے تفکر آتا ہے۔ اس کے نتیجے میں احساس (realization) کا مرتبہ آتا ہے۔ اس مرحلہ پر ہم ان حقائق کو realize کرتے ہیں جن کے لیے کوشش کر رہے ہوتے ہیں اور اس دوران بہت سے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں۔

۴۔ حکمت و بصیرت

realiztation ہوجائے تو یہ wisdom بصیرت و حکمت کی طرف رہنمائی(lead) کرتی ہے۔ جب ہم حقائق، حالات situation، given subject اور subject under research کو صحیح realize کرتے ہیں، اس کو analyze (تجزیہ) کرتے ہیں تو اس سے wisdom (حکمت) ملتی ہے۔

۵۔ قوتِ استنباط و استخراج

جب حکمت wisdom ملے تو اس سے inference استنباط و استخراج کی قابلیت آتی ہے۔ حکمت و بصیرت (wisdom) کے بغیر بندہ دیکھ تو سکتا ہے مگر اس میں سے infer (استنباط و استخراج) نہیں کرسکتا۔

جب ہم علم کے راستے میں ہوتے ہیں تو اس قابل ہو رہے ہوتے ہیں کہ wisdom کے ذریعے پیش آمدہ واقعہ میں سے کچھ اخذ کرسکیں، اس کے پس پردہ حقائق تک پہنچ سکیں، اس کے اسباب کو دیکھ سکیں، اس کی مطابقت (relevance) کو دیکھ سکیں، اس کے ساتھ جڑی حقیقت (connected reality) کو دیکھ سکیں اور اس سے استنباط و استخراج (infer) کرسکیں۔

۶۔ تخلیق

جب استنباط و استخراج کرتے ہیں تو تب اس کا کہیں اطلاق کرسکتے ہیں۔ inference (استنباط و استخراج) حکمت (wisdom) کے نتیجے میں آتا ہے اس لیے inferance ہمیں creativity دیتا ہے اور علم میں تخلیق آتی ہے۔ بصورتِ دیگر علم صرف توجیہی رہتا ہے، صرف interpret (تشریح) اور explain کرتا ہے کہ یہ لکھا ہے، فلاں نے یہ کہا ہے، اس کا یہ معنی ہے یعنی وہ لکھے ہوئے کی وضاحت کرتا ہے اور علم خود تخلیق (create) نہیں کرسکتا۔

اہلِ علم کی اقسام

اہلِ علم knowledgeable دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ ایک وہ لوگ جن کے پاس توجیہی علم ہوتا ہے، ان کو لکھا ہوا نہ ملے تو وہ گونگے ہیں۔ لکھا ہوا ملے تو explain اچھا کرلیتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو علم کی تخلیق کرتے ہیں۔ ان کا علم کتابوں کی سطروں تک محدود نہیں ہوتا، وہ Books اور lines میں محدود نہیں ہوتے بلکہ ان سطور (lines) سے بڑھ کر وہ خود ان سطور (lines) کو Create تخلیق کرتے ہیں۔ جب creativity ہے تو اس سے original ideas آتے ہیں۔ گویا wisdom سے inference، (استنباط اور استخراج) آگیا۔ inferance کے نتیجے میں creativity یعنی تخلیقی صلاحیت آگئی۔ جب creative knowledge آتا ہے تو تب علم میں expansion ترقی و توسیع ہوتی ہے۔ اب وہ آدمی نقال نہیں رہتا بلکہ خلاق ہوجاتا ہے۔۔۔ ناقل نہیں رہتا بلکہ خالقِ علم ہوتا ہے۔۔۔ وہ لکھے ہوئے کو نقل نہیں کرتا بلکہ وہ لکھنے کے لیے علم کو تخلیق کرتا ہے۔۔۔ پھر لوگ اس کے کیے ہوئے کو تلاش کرتے ہیں کہ یہ اس نے کس کتاب سے بیان کیا، یہ کس کتاب میں ہے، ہم نے تو کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ بقول

علامہ اقبال:

اب وہ صاحبِ علم خود صاحبِ کتاب ہوجاتا ہے۔۔۔ اس کے سینے کو کتاب بنادیا جاتا ہے۔۔۔ اس کے سینے پر علم کا ورود اور نزول ہوتا ہے۔۔۔ اس کے اندر علم کا ایک چشمہ کھل جاتا ہے جو نہ صرف اسے بلکہ اس کے اردگرد موجود ہر فرد کو سیراب کرتا ہے۔۔۔ اس طرح علم میں expansion (توسیع) پیدا ہوتی ہے۔

ہر لمحہ نئی تخلیق

جس طرح اس کائنات کا آغاز اور تخلیق تو ایک نقطہ اور ایک وحدت سے ہوئی مگر پھر expand ہوتی چلی جارہی ہے۔

کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کُن فیکون

ہر لمحہ ایک نئی تخلیق ہورہی ہے اور ہر لمحہ اس کائنات میں creation کا ایک عمل ہوتا ہے۔ تخلیق کے اس عمل میں کبھی تکرار (repetition) نہیں ہوتا۔ دیکھنے میں ایک جیسا لگتا ہے کہ پچھلے لمحے میں بھی یہی action of creation تھا، اگلے لمحے میں بھی وہی عملِ تخلیق ہے۔ بظاہر ایک جیسا لگتا ہے مگر یہ تکرار repetition نہیں ہوتا بلکہ ابتدا سے انتہاء تک کبھی repetition نہیں ہوتا اور تخلیق ہر لمحہ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ انس و جن، خلاء، cosmology، astrophysics الغرض جس بھی حوالے سے غور کریں، ہر لمحہ بغیر تکرار کے نئی تخلیق ہورہی ہے۔ ہم سورج کو ہر روز ایک ہی وقت پر ایک ہی مقام سے طلوع ہوتا اور ہر روز ایک ہی وقت پر ایک ہی مقام پر غروب ہوتا دیکھتے ہیں۔ ہماری نگاہ سمجھتی ہے کہ یہ repetition ہے مگر وہ تکرار نہیں ہوتا بلکہ ہر لمحہ اور ہر دن نیا ہے۔ اس کا ایک سفر ہے۔ لہذا کائنات میں ہر لمحہ تکرار نہیں بلکہ توسیع ہورہی ہے۔

علم؛ وسعت کا نام ہے

علم کا کردار جب اپنے creative مرحلے پر پہنچتا ہے تو اس میں تنگی نہیں رہتی۔ اس وجہ سے اہلِ علم تنگ نظر نہیں ہوتے اور جو تنگ نظر ہوتے ہیں، وہ صاحبانِ علم نہیں ہوتے۔ یعنی انہیں علم نہیں ملا ہوتا۔ اس لیے کہ علم تنگ نظر رہنے ہی نہیں دیتا بلکہ نگاہ، دل، خیالات، تصورات، اخلاق، مزاج اور رویوں میں وسعت دیتا ہے۔

یاد رکھ لیں! علم نام ہی سراسر وسعت اور expansion کا ہے۔ جن کے دل و دماغ تنگ ہوتے ہیں، وہ اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ ابھی جہالت کے اندھیروں میں ہیں، خواہ وہ بورڈ علم کا لگالے، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ جیسے شراب کی بوتل پر آبِ زم زم لکھ لیں تو وہ شراب آبِ زم زم تو نہیں بن جائے گی۔ کوئی آدمی بڑی داڑھی رکھ لے، پگڑی پہن لے اور اپنے آپ کو عالمِ دین کہے، جو چاہے کہلاتا رہے مگر اس سے علم تو نہیں آجائے گا۔ علم کا ایک اپنا کردار اور کرشمہ ہے، علم کی اپنی ایک تاثیر، حیثیت اور status ہے۔ اس کو اس مثال سے بھی سمجھیں کہ جو چیز ہمیں گیلا نہ کرے، ہم لاکھ بار کہیں کہ یہ پانی ہے مگر وہ پانی نہیں کیونکہ وہ ہمیں گیلا نہیں کررہا، ہماری پیاس نہیں بجھا رہا تو وہ پانی کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔؟ جس کا رنگ سفید نہیں ہے، وہ دودھ کیسے ہے۔۔۔؟ جو میٹھا نہیں ہے، وہ شربت کیسے ہوسکتا ہے؟ سمجھانا یہ مقصود ہے کہ ہر چیز کا اپنا ایک کردار ہے۔ جو ہمیں نفرت سکھا رہا ہے وہ علم کیسے ہے۔۔۔؟ علم تو محبت کا نام ہے۔ جو ہمیں تنگ نظری دے رہا ہے، وہ علم کیسے ہے۔۔۔؟ علم تو وسیع النظری کا نام ہے۔ جو ایک دوسرے کے گلے کاٹنے پر ہمیں تیار کررہا ہے، وہ علم کیسے ہے۔۔۔؟ وہ تو دہشت گردی ہے۔ انتہا پسندی، نفرت، گالی گلوچ اور تنگ نظری علم نہیں، اس لیے کہ علم سراسر وسعت ہے۔۔۔ علم؛ رحمۃ للعالمین کا عکس ہے۔۔۔ علم؛ رب العالمین کا عکس ہے۔۔۔ جس طرح اس کی ربوبیت میں وسعت ہے کہ وہ ہر ایک کو بلا تفریق ایمان و اسلام اور رنگ و نسل ہر کافر و مشرک اور مومن و مسلم کو دنیاوی نعمتیں عطا کرتا ہے، اسی طرح اس کی عطا کردہ نعمتِ علم میں بھی وسعت ہے۔

علم؛ جمود نہیں تحرک کا نام ہے

جب علم میں وسعت آتی ہے تو اس سے ارتقاء development اور evolution (ارتقاء) پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد علم پھر static اور جامد نہیں رہتا۔ جو جامد ہوجائے وہ علم نہیں ہے۔ چونکہ علم طہارت ہے اور جو جامد ہوجائے اس سے طہارت زائل ہو جاتی ہے۔ مثلاً: ایک تالاب میں پانی کھڑا ہوجائے اور اس میں بہاؤ نہ ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ہوتا اور اگر ایک دریا یا ندی نالا بہہ رہا ہو، اس میں اگر کسی جانور یا انسان کی غلاظت بھی گر جائے تو پھر بھی آدمی اسی پانی سے وضو کرسکتا ہے۔ طہارت اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ بہتے ہوئے متحرک پانی میں کسی قسم کی غلاظت آ جانے کے باوجود اس کی طہارت زائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو علم متحرک ہوجائے، creative ہوجائے، جس کا جمود ختم ہوجائے تو اس علم کی طہارت اتنی ہوتی ہے کہ وہ جہان کو طہارت اور نور دیتا ہے۔ علم جب progress کرتا ہے، develope ہوتا ہے تو اس سے اس میں comprehenssion آجاتی ہے، وہ ہر پہلو aspect کو comprehend کرتا ہے اور کلیت totality اور جامعیت کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

یونیورس اور یونیورسٹی میں مطابقت

جب علم میں comprehension آتی ہے تو وہ علم universe کی طرح ہوجاتا ہے۔ اسی سے لفظ University ہے۔ ڈکشنریز میں ایسے معانی نہیں ملتے۔ اس لیے کہ یہ اس کا موضوع ہی نہیں۔ ڈکشنری University کے بارے بتائے گی کہ ایک ایسا ادارہ جس میں اونچے درجے کی تعلیم ہوتی ہے، وہ ادارہ یونیورسٹی کہلاتا ہے۔ ہر ڈکشنری University کو ایک ادارہ دکھائے گی۔ میں نے آج تک ایسی ڈکشنری نہیں دیکھی جو University کو کائنات بتائے۔ Universe اور University میں ایک تعلق ہے۔ لفظ uni کا بھی حُسن ہے اور verse کا بھی حُسن ہے۔ uni وحدت کا اشارہ دیتا ہے اور verse ورائٹی کا اشارہ دیتا ہے۔ Universe کائنات کو کہتے ہیں۔ ایک ایسی کائنات جس میں زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، فضائیں، تحت و بالا سارا سب کچھ ہے۔ اس میں مختلف verities ہیں۔ ساری کائنات میں جو مختلف verities ہیں وہ سب آپس میں ایک پیٹرن اور ایک سٹائل کے ساتھ پروئی گئی ہیں۔ کائنات میں زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، فضاء کس سٹائل کے تحت آپس میں بندھی ہوئی ہیں، یہ سٹائل فزکس بتاتی ہے۔۔۔ انسان میں کون سی verities پائی جاتی ہیں، یہ سٹائل بیالوجی اور دیگر مضامین بتاتے ہیں۔۔۔ الغرض کائنات کے اندر ایک پیٹرن اور ایک connectivity ہے۔ جیسا کہ کائناتیں مختلف ہیں مگر ہر شے دوسری سے جڑی ہوئی ہے۔ پس ایک پیٹرن کے تحت جڑنے والی ان مختلف دنیاؤں کے مجموعہ (collection) کو Universe کہتے ہیں۔

بڑے بڑے نامور actor (فنکار) ہوتے ہیں جنہیں جو role (کردار) دے دیں وہ ادا کرلیتے ہیں، انہیں verse style کہتے ہیں۔ یعنی ان کے پاس بے شمار Skills ہوتی ہیں جو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ اسی سے verses کا لفظ ہے۔ جیسا کہ قرآن، بائبل، مذہبی کتابیں ہوں یا نظم و نثر جب مختلف الفاظ ایک نظم کے ساتھ لائنوں اور سطور میں جڑے ہوئے ہوں اور ان کے اندر ایک ربط ہو تو اس کو verse کہتے ہیں۔

پھر اسی Universe سے لفظ ''یونیورسٹی'' نکلا ہے یعنی جو علم کے بے شمار مظاہر کو کھول دے۔ یونیورسٹی تب تک یونیورسٹی نہیں بنتی جب تک وہ سارے مظاہر کسی ایک تصور پر باہمی unified نہ ہوں یا ان کے اندر unity نہ ہو، یعنی ان کے اندر ایک پیٹرن اور connectivity نظر آنی چاہیے۔ جیسے گلاب کے جس پھول کو بھی دیکھیں اس میں پائی جانے والی پتیوں میں سے ہر پتی ایک جیسی شکل وصورت میں نظر آتی ہے اور تمام پتیاں ایک جیسے سٹائل کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح درخت کے پتوں کو دیکھیں تو ہزارہا پتے ہیں مگر سب ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ یعنی ان پتوں کی کثرت کے اندر ایک وحدت unity ہے اور جب کثرت میں وحدت ہو تو اسے یونیورسٹی کہتے ہیں۔

آج Universities معاشرے کو طرح طرح کے علوم و فنون کی مختلف verities دے رہی ہیں، لیکن علم کے اِن بے شمار مظاہر کے اندر کوئی ایک پیٹرن نہیں جو انہیں connect کر سکے۔ connectivity کا وہ پیٹرن اور سٹائل ''اخلاق اور کردار'' ہے جو زندگی کو ایک پیٹرن دے سکتا ہے۔۔۔ جو سوچ، فکر اور behavior کو ایک پیٹرن، ایک طریقہ، نشوونما کا ایک ڈھب اور ایک انداز دے سکتا ہے۔ کیونکہ جس پیٹرن میں وحدت نہ جھلکے وہ یونیورسٹی ہی نہیں۔

منہاج یونیورسٹی اسی پیٹرن اور connectivity کو لے کر معاشرے میں کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ جس میں مظاہرِ علم بھی ہوں اور ان کے اندر unity بھی ہو اور جس کے تحت تمام مظاہر connected نظر آئیں تا کہ یہاں کے فاضلین کردار اور فکر کا پیٹرن لے کر جہاں بھی جائیں تو ان کی خوشبو اور مہک قائم رہے۔ جب علم میں ایسی progression اور comprehension آتی ہے، تب وہ علم بقا دینے والا Survivor بنتا ہے، اس علم میں بقا آتی ہے اور صاحبِ علم کو باقی کر دیتا ہے۔

علم؛ بقاء کا حامل کیسے ہوتا ہے

علم کے survive کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مختلف چیلنجز پیش آئیں اور علم ان چیلنجز کو face نہ کر سکے تو وہ علم شکست کھا جاتا ہے۔ اب علم کے اوپر depend کرتا ہے کہ وہ ہر دور کے ابھرتے ہوئے چیلنج کو face کیسے کرتا ہے۔۔۔؟ علم اگر اس چیلنج اور مسئلہ کا حل نہ دے تو وہ خود محلول کی طرح بہہ جائے گا۔ علم اگر solution نہ دے تو خود dissolve (تحلیل) ہوجاتا ہے۔ زندہ اور باقی علم وہ ہے کہ زمانہ بدلتا رہے، سوالات نئے سے نئے آتے رہیں، حالات بدلتے رہیں، چیلنجز بدلتے رہیں، مگر علم ہر دور میں بدلے ہوئے حالات کو face کر سکے اور ہر اٹھنے والے مسئلے کا حل دے سکے، ہر چیلنج کا مقابلہ کر سکے اور جو اس علم کے followers ہیں، ان کی کشتی کو اس منجھدار سے نکال کر کنارے لگا سکیں۔

منہاج القرآن کا contribution یہ ہے کہ جب 80ء اور 90ء کی دہائی کے حالات تھے اور لوگوں کی اپروچ مختلف تھی تو چالیس سال پہلے ہم نے چیلنجز فیس کیے ہیں۔ جب بھی کوئی ایک نیا step اٹھاتے تو فتوؤں کا ایک طوفان آ جاتا تھا، حتیٰ کہ کفر کے فتوے آتے اور لوگ لرز جاتے تھے۔ میرے ساتھی کہتے تھے کہ بڑا بولڈ step ہے، ہر طرف سے مخالفت اور کفر کے فتوے ہیں، تھوڑا نرم ہاتھ رکھ لیں۔ میں کہا کرتا تھا کہ نہیں، آپ اس وقت تک leading role، پیٹرن set کرنے والے، دنیا کو سٹائل دینے والے اور دنیا کی سمت متعین کرنے والے نہیں بن سکتے، جب تک چیلنجز کو جرأت کے ساتھ face نہیں کریں گے۔ نتیجتاً کیا ہوتا تھا کہ سالوں بعد وہ فتوے دینے والے خود ہماری بات کو follow کرنے لگ جاتے اور اسی راستے پر چل پڑتے۔ منہاج القرآن کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

جب ہم علم کو اللہ کی وحی اور divine light سے اخذ (derive) کرتے ہیں تو وہ علم survivor ہے۔ وہ آپ کو بھی بچاتا ہے اور خود بھی بچ کر آگے چلتا ہے۔ یہ وہ بنیادی چیز ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ علم کی راہ میں ڈگری صرف recognition (پہچان) ہے۔ یعنی اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ اس طالبعلم نے جو تعلیمی مرحلہ مکمل کیا ہے، اس کے بعد اسے علم حاصل کرنے کا طریقہ اور سلیقہ آ گیا ہے، لہٰذا اب اسے علم کی طرف بڑھنا چاہیے۔

مقصدِ حیات

یاد رکھیں! کہ ہمارا مقصد ایک اعلیٰ انسان بننا ہے، وہ انسان جس کے ذریعے اللہ کی پہچان ہو سکے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

كنت كنزا مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ليعرفني. (مقدمہ ابن خلدون، ج۱، ص ۴۷۱)

میں (علم، کمال اور حسن و جمال کا) ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے، سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس لیے پیدا کیا تا کہ خلق مجھے پہچانے۔

اللہ نے ساری مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ ارفع، اکمل،

اجمل اور اجمع یعنی جامع خلق جسے بنایا، اس کا نام انسان ہے۔ اسی لیے خلافت اور نیابت فرشتوں کو نہیں دی بلکہ انسان کو دی۔ فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ. (التین، ۹۵: ۴)

’’بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔‘‘

انسان کو سب سے اعلیٰ خلق اس لیے بنایا کہ اسے دیکھ کر اللہ کی جتنی اعلیٰ پہچان ہوسکتی ہے، اس سے بہتر پہچان کسی اور مخلوق کو دیکھ کر نہیں ہوسکتی۔ ہمیں وہ انسان بننا ہے کہ ہم اپنے علم، عمل، اخلاق، کردار، behaviour، اٹھنے بیٹھنے، برتاؤ، شخصیت، لباس، کھانے پینے، توازن، اعتدال، رحمت، شفقت، امن محبت، قناعت اور توکل کے پیکر بن کر اور طبیعت سے حرص، لالچ، غصہ و نفرت اور تنگ نظری نکال کر اتنے وسیع اور اتنے کامل بنیں کہ اس انسان کے مرتبے کی طرف جاسکیں کہ جس میں لوگوں کو اللہ نظر آنے لگے۔

اللہ رب العزت نے ساری مخلوقات میں سب سے اکمل خلق انسان کو اس لیے بنایا کیونکہ اس نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

فان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہ.

(صحیح ابن حبان، ج ۱۲، ص ۴۲۰)

اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنی صورتِ اخلاق، اپنی صورتِ صفات، اپنے اخلاق اور شخصیت کو جتنا چمکاتا جائے گا اتنا ہی اللہ کی صفات اور اس کے اخلاق اس میں چمکتے چلے جائیں گے، اس لیے کہ انسان کے اندر اللہ کی صفات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان آسانی سے اللہ کے ساتھ connect ہوجاتا ہے۔

ہر جگہ اللہ کی صفات کا رنگ نمایاں ہے

جب ہم کائنات کو دیکھتے ہیں زمین و آسمان کو دیکھتے ہیں تو اللہ کی وسعت نظر آتی ہے۔۔۔ جب سمندروں کی غیر محدودیت کو دیکھتے ہیں تو اللہ کی ذات کی صفات کی جامعیت نظر آتی ہے۔۔۔ جب انسان کو دیکھتے ہیں کہ کتنی خوبصورتی سے اس کے اعضا باہم مربوط ہیں، جب کائنات کو دیکھتے ہیں کہ اس کے سارے اجزاء ایک خاص نظم کے تحت باہم جڑے ہوئے ہیں تو اللہ رب العزت کا ever living (حی قیوم) ہونا نظر آتا ہے۔۔۔ جب ہم کسی صاحبِ علم کو دیکھتے، پڑھتے اور سنتے ہیں تو اس کے علم سے جو روشنی ملتی ہے، اس سے اللہ کا علیم الخبیر ہونا نظر آتا ہے۔۔۔ جب کسی ڈاکٹر کو دیکھتے ہیں تو اللہ کا شافی ہونا نظر آتا ہے۔۔۔ ماں کی مامتا کو دیکھتے ہیں تو اللہ کی شفقت و رحمت نظر آتی ہے۔۔۔ باپ کے پالنے کی تدبیر کو دیکھتے ہیں تو اللہ کی ربوبیت نظر آتی ہے۔۔۔ الغرض اپنے اندر اور اپنے باہر جس شے پہ بھی ہم نگاہ ڈالیں تو ہر چیز میں کوئی نہ کوئی صفت اور کوئی نہ کوئی خلق اللہ رب العزت کا نظر آتا ہے۔

حتی کہ دنیا میں جو متضاد صفات ہیں، ان سے بھی اللہ کی صفات آشکار ہوتی ہے۔ کوئی شخص سخی ہے تو اس کی سخاوت کو دیکھ کر اللہ کی صفتِ عطا کا پتہ چلتا ہے اور جب ایک کنجوس کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ روکنے والا بھی ہے۔۔۔ موت سے بچانے والے کسی شخص کا life giving attitude دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے اللہ زندگی عطا کرنے والا بھی ہے اور جب کسی قاتل کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ موت دینے والا بھی ہے۔۔۔ ایک ہدایت یافتہ شخص کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہادی ہے۔۔۔ اسی طرح ایک شخص اگر گمراہ ہے تو اس کی گمراہی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مضل بھی ہے۔۔۔ الغرض جس بھی جہت اور زاویہ سے جو کچھ کائنات میں ظہور پذیر ہے اس سے اللہ کی کوئی نہ کوئی صفت نمایاں نظر آتی ہے۔ یعنی انسان کی اپنی جان میں اور کائنات میں ہر طرف اللہ کی صفات ہیں۔

اسی طرح ایسے لوگ بھی ہیں جو ضرر رساں ہیں اور ایسے بھی ہیں جو نفع بخش ہیں۔۔۔ جیسے جیسے ہمارے اندر انسانیت کو نفع دینے والا کردار، انسانیت کو فیض پہنچانے والا کردار، دکھی انسانیت کو سکھ دینے والا کردار روتے ہوؤں کو مسکرا دینے والا کردار، محروم کو عطا کردینے والا کردار اور گرے ہوؤں کو اٹھا دینے والا کردار نمایاں ہوتا چلا جائے گا، ویسے ویسے ہم احسنِ تقویم یعنی اچھا انسان بنتے چلے جائیں گے حتی کہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہوجائیں گے اور جیسے جیسے ہمارے کردار میں انسانیت

کو نقصان پہنچانے واضح ہوتا چلا جائے گا، بخیلی، بدبختی، تنگ نظری دہشتگردی، انتہا پسندی، بداخلاقی، گالی گلوچ اور لوگوں کو نقصان پہنچانے کا کردار غالب ہوتا چلا جائے گا، ویسے ویسے ہم بدترین جانور سے بھی ابتر ہوتے چلے جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ انسان ایک ایسا وجود ہے کہ چاہے تو فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہوجائے اور چاہے تو حیوانات سے بھی بدتر ہوجائے۔ ہم سب سے اعلیٰ بھی ہیں اور اعلیٰ علیین بھی ہیں۔۔۔ اسی طرح اسفل بھی ہیں اور اسفل سافلین بھی ہیں۔۔۔ انسان نور بھی ہے اور اندھیرا بھی ہے۔۔۔خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔۔۔ یہ سب depend کرتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو کس رخ پر لے جاتے ہیں اور جو علم حاصل کررہے ہیں، اس علم کا اطلاق کس طرح اپنی جان پر کرتے ہیں۔

تعلیم کی ڈگریوں کے ساتھ ساتھ ایک اچھا انسان بننے کی ڈگری بھی ہمیں حاصل کرنی ہے۔ تعلیم کی ڈگری یونیورسٹی کے امتحان سے ملے گی اور اچھا و اعلیٰ مرتبے کا انسان بننے کی ڈگری ہمیں زندگی کے امتحان سے ملے گی۔ کسی کالج یا یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد انسان زندگی کی ایک بڑی امتحان گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں بڑے چیلنجز اور طوفان ہیں، جنہیں face کرنا ہوتا ہے۔ علم کو ہدایت میں منتقل کرنا ہوگا تاکہ علم کے ذریعے وہ کردار ملے جس کردار سے اللہ رب العزت کی شناسائی ہو اور بھولے بھٹکے لوگ ہم سے رہنمائی پائیں۔۔۔ پریشان حال ہم سے سکھ چین اور راحت پائیں۔۔۔ رونے والوں کو ہمارے وجود سے مسکراہٹ ملے۔۔۔ محروموں کو ہمارے وجود سے راحت ملے۔ اس پیغام کو پھیلانے اور خود پر اس کے اطلاق کی ضرورت ہے تاکہ علم؛ علمِ نافع بنے اور نہ صرف ہماری زندگی بلکہ سوسائٹی اور انسانیت کو بھی فائدہ پہنچے۔ ❁❁❁❁❁

تجدید واحیائے دین، دعوت وتبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج واقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
0300-8886334 Whatsapp: 03008105740
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

کمزور پڑتی ہوئیں اخلاقی و معاشرتی قدریں

نوجوانوں کو باطل فکر سے کیسے بچایا جائے؟

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: موجودہ دور میں نوجوان نسل پر ہونے والے حملے کون سے ہیں اور ان کا تدارک کس طرح ممکن ہے؟

جواب: آج نوجوان نسل بالعموم دو قسم کے حملوں کی زد میں ہے: ۱۔ثقافتی حملہ ۲۔نظریاتی حملہ

ان دونوں طرح کے حملوں کے تدارک اور سدِّباب کے ذریعے ہی نوجوان نسل کے ایمان کی حفاظت ممکن بنائی جاسکتی ہے۔

۱۔ ثقافتی حملہ اور اس کا تدارک

مغربی تہذیب و ثقافت کی صورت میں ہونے والے حملے سے مراد ثقافتی حملہ ہے، جس کے زیر اثر نوجوان نسل کے معاشی اور سماجی تصوراتِ زندگی بدل رہے ہیں۔ اخلاقی، عائلی، سماجی اور معاشرتی قدریں کمزور پڑتی جا رہی ہیں اور نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہروی کے سیلاب نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس کے نتیجے میں معاملہ اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو گیا ہے کہ بیٹیاں اپنے باپ، دادا اور بزرگوں کے سامنے سر ڈھانپنا تو درکنار بے حجاب گھومنے پھرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتیں۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں کو خطرناک اور نام نہاد جدت پسندی کا رخ دے دیا ہے۔ نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑنے کے باعث ہماری زندگی سے اسلامیت یوں رخصت ہوئی کہ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے اور ہمارا اسلامی تشخص ہماری مسلمانی پر بقول اقبال یوں آہ و زاری کر رہا ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ثقافتی حملہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قدم کے طور پر امتِ مسلمہ کے اندر بالعموم اور نوجوان نسل کے اندر بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ اور سنت طیبہ سے محبت اور قلبی وابستگی پیدا کی جائے اور عملی اسلام کا وہ چہرہ ان کے سامنے پیش کیا جائے جو ان کے لئے کشش کا باعث ہو اور جس سے یہ واضح ہو کہ پیغمبر انسانیت اور ہادی برحق ﷺ نے اعلیٰ، بامقصد زندگی اور تہذیب و ثقافت کے بہترین نمونے اور اخلاقی قدروں کا جو نظام عطا کیا وہ عملی سطح پر دنیا سے افضل ہے۔ آج وقت کی اہم ترین ضرورت نئی نسل کو اسلام کے اصولوں اور تہذیبی و ثقافتی اقدار سے روشناس کرانا ہے۔

اسلامی اقدار کو کمزور کرنے میں جہاں اسلام دشمن طاقتیں برسرعمل ہیں وہاں بعض والدین بھی منفی کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کی بچپن سے ہی ذہنی تربیت غیر اسلامی تہذیبی سانچوں میں ڈھال کر کرتے ہیں۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے، جب لوہا گرم ہو تو اسے جس طرح چاہیں پگھلا کر موڑ سکتے ہیں لیکن اگر ہماری غفلت کی وجہ سے لوہا ٹھنڈا ہو

کر جم گیا تو پھر اس میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ سب سے اہم ذمہ داری ہمارے علماء، ائمہ مساجد، ادیب، شعراء اور اہلِ قلم پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اس قیمتی اثاثہ کی حفاظت کریں جو اسلام کی نایاب ترین اقدار اور ثقافت میں پایا جاتا ہے۔ ان پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کلام، وعظ اور اپنے دیوان میں اسلام کی روایات و اقدار کو قرآن و سنت کی روشنی میں پروان چڑھائیں۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، ۵:۱۹۸۸، رقم:۴۸۹۲)

تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ہر شخص اپنے دائرہ کار کے اندر جوابدہ ہے۔ کوئی گھر کا سربراہ ہے تو اس سے گھر کے معاملات کے بارے میں اور اگر کسی شخص کا اختیار محلے، قصبے، شہر، صوبے اور ملکی سطح تک ہے تو اس کی جواب طلبی کا دائرہ ان تمام سطحوں تک پھیلا ہوا ہوگا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے عملی نظام کو گھر کی سطح سے لے کر اجتماعی اور ملکی سطح پر نافذ کر دیا جائے تاکہ دورِ جدید کی تہذیب و ثقافت کی تند و تیز آندھیوں سے نوجوان نسل کے ایمان کی بجھتی ہوئی شمع کو محفوظ کیا جا سکے۔

۲۔ نظریاتی حملہ اور اس کا تدارک

نظریاتی حملہ عام مسلمانوں کو بالعموم اور نوجوان نسل کو بالخصوص ذہنی اور فکری طور پر اسلام سے دور کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ یہ حملہ جھوٹے افکار و نظریات کی مدد سے کیا جا رہا ہے۔ دینی تربیت سے بے بہرہ نوجوان جب کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر پہنچ کر مغربی فلسفوں اور نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ دینی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر مادہ پرستانہ نظریات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان بالغیب، آخرت، نبوت اور رسالت کے بارے میں ان کے عقائد کمزور پڑنے لگتے ہے۔ اس طرح ناپختہ ذہن رکھنے والے نوجوان نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات پر کان نہیں دھرتے بلکہ وہ اسلام کے تمام تصورات کو بھی ناقابلِ عمل سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس نظریاتی حملہ کے نتیجے میں رونما ہو رہا ہے جو اسلام دشمن قوتیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اہل اسلام کے قلب و باطن پر کر رہی ہیں۔

نظریاتی حملے کا واحد تدارک یہ ہے کہ اسلام کو روایتی انداز کی بجائے سائنسی انداز اور مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر کے نوجوان نسل کو یہ یقین دلایا جائے کہ فکری، نظریاتی اور استدلالی اعتبار سے اسلام سے بہتر دنیا کا کوئی نظام نہیں ہے۔ انہیں یہ باور کرایا جائے کہ جدید فکر اور نظریے مادیت سے جنم لیتے ہیں جبکہ اسلامی نظریے اور فکر کا سرچشمہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور قرآنِ حکیم کی بنیادی و اساسی تعلیمات ہیں۔ لہٰذا موجودہ نسل کو محض فتوؤں کے زور پر دوزخ کی آگ کے خوف سے اسلام کی طرف بلانے کی بجائے ان کے سامنے ایمان اور اسلام کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ جان لیں کہ تمام مسائل کا حل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر نوجوانوں کے عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے کی بجائے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائیں گی۔ کیونکہ بقول اقبال:

نہیں ہے نا امید اقبالؒ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اسلام کا حقیقت پسندانہ مطالعہ اور تعلیماتِ اسلام پر عمل ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے اس حملے کے منفی اثرات کی روک تھام میں مدد ملتی ہے جو انسانی شعور کے راستے سے امت مسلمہ کے ایمان پر وارد ہوتے ہیں۔

سوال: ضروریاتِ دین میں کون سے امور شامل ہیں اور ان کا اثبات کن دلائل سے ہوتا ہے؟

جواب: ضروریاتِ دین؛ دین کے ان بنیادی اعتقادات کو کہا جاتا ہے جن کا ثبوت قطعی، متواتر اور بدیہی طور پر ہو۔ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک ضرورتِ دینی کا انکار کرنے

والا بھی مسلمان نہیں ہے۔ ضروریاتِ دین کے بارے میں جاننے کیلئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ عام طور پر یہ امور مسلمانوں کو وراثتاً معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً: توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ، آسمانی کتابوں، جنت، دوزخ وغیرہ پر ایمان۔۔۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی فرضیت۔۔۔ زنا قتل، چوری، شراب خوری وغیرہ کی حرمت وغیرہ ضروریاتِ دین میں شامل ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا خاتم الأنبیاء ہونا، حشر و نشر، جزاء سزا، میزان وغیرہ جیسے تمام امور بھی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں۔ ان میں سے کسی ایک شے کا انکار بھی کفر ہے۔ آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی دوسروں پر کافر اور مشرک ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

احکامِ قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اولین ضرورت یہ ہے کہ:

تصدیق ما جاء به النبی ﷺ

جو کچھ نبی ﷺ لائے ہیں اس کی دل سے تصدیق کرنا

یعنی رسولِ خدا ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سمیت آپ کی عنائت کردہ تمام تعلیمات کو بلاشک و شبہ دل سے تصدیق کرنا اور یقین رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے اور یہی ضروریات اہلِ سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْکَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء، ۴: ۶۵)

’’پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔‘‘

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام شہاب الدین محمود آلوسی فرماتے ہیں:

فقد روی عن الصادق انه قال لو ان قوما يعبدوا الله تعالىٰ واقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوة وصاموا رمضان وحجوا البيت ثم قالوا الشئى صنعه رسول الله الاصنع خلاف ماصنع او وجدوا فى انفسهم حرجاً لكانوا مشركين.

حضرت امام جعفر صادق ؓ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ شریف کا حج کرے مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضور ﷺ سے ثابت ہو، اس کے بارے میں یوں کہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

(آلوسی، روح المعانی، ۵: ۶۵)

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔

ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں اور تمام اقسام کا حکم بھی مختلف ہے۔ کفر کا حکم صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالت بھی۔ اگر کوئی شخص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ احکام کو تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور ان کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے تو وہ ضروریاتِ دین کا منکر ہونے کی وجہ سے اہلِ قبلہ میں شامل نہیں رہتا۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ فاسق اور گمراہ تو ہے مگر اہلِ اسلام میں شامل ہے۔

احکام کے قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا احادیثِ متواترہ سے ہو، اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید یا حدیث متواتر میں اس حکم کے متعلق وارد ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم و مراد کو صاف صاف بیان کرتی ہو، اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ ❁❁❁❁❁

اسلامی تعلیمات میں ادب کی فضیلت واہمیت

معلم، تشکیک اور دنیا پرست لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے

پرامن سوسائٹی کیلئے تکفیری رویہ چھوڑ کر حُسنِ اختلاف رائے کی روش اپنانا ہوگی

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل)

اسلامی تعلیمات میں ’’ادب‘‘ کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث مبارکہ، صحابہ کرام کے اقوال اور سلف صالحین کے فرامین میں ’’ادب‘‘ کے حوالے سے حد درجہ تاکید نظر آتی ہے۔

ائمہ لغت ’’ادب‘‘ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’الادب اسم یقع علی کل ریاضة محمودة یتخرج بها الانسان فی فضیلة من الفضائل.

(الزبیدی، تاج العروس، ج:۲، ص:۱۲)

ہر وہ اچھی ریاضت، exercise، activity اور ہر وہ خوبصورت کام جس کے ذریعے انسان فضائل میں سے کسی اچھی فضیلت کا حقدار ٹھہر جائے اور فضائلِ گلستان میں سے ایک اچھی فضیلت کا پھول اپنی زندگی کا حصہ بنالے اور اس مہک کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے تو اسے ’’ادب‘‘ کہتے ہیں۔

’’ادب‘‘؛ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

آیئے! اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ’’ادب‘‘ سے آشنائی حاصل کرتے ہیں:

۱۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ. (القلم، ۶۸:۴)

’’اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)۔‘‘

مذکورہ آیت مبارکہ کی ایک تفسیر سے عموماً ہم واقف ہیں مگر اس کی ایک اور تفسیر بھی ہے جسے امام عطیہ العوفی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مراد بھی لیا جاتا ہے:

وانک لعلی ادب عظیم

اے محبوب ﷺ آپ درحقیقت ادبِ عظیم پر فائز ہیں۔ خلقِ عظیم بھی آپ ﷺ ہی کی زینت ہے اور ادبِ عظیم بھی آپ ﷺ ہی کی زینت ہے۔

۲۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا.

’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ۔‘‘ (التحریم، ۶۶:۶)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب اس کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

علموهم ادبوهم

(مختصر شعب الایمان، ج:۱، ص:۱۲۰)

یعنی اپنی اولاد کو دوزخ کے عذاب سے بچانا چاہتے ہو تو انہیں آداب سکھاؤ اور انہیں تعلیم دو۔

☆ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یوں کی:

☆ خطاب نمبر: HD-34، تاریخ: 9 دسمبر 2021ء، مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن لاہور

ففقهوهم و احسنوا تعليمهم.

(رسالہ قشیریہ، ص: ۲۸۳، ۲۸۴)

یعنی انہیں فقہ کی تعلیم دو، ان میں سمجھ بوجھ اور شعور منتقل کرو اور انہیں دین کی بنیادی معلومات عطا کرو پھر انہیں آدابِ زندگی (اخلاقی اقدار، احسن برتاؤ اور مزاج وغیرہ) بھی سکھاؤ۔

۳۔ امام سلمی ایک حدیث مبارک نقل کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الله ادبنی فأحسن تأديبی.

(السلمی، آداب الصحبۃ، ص:۱۲۴، الرقم:۲۰۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے آداب سکھائے اور اتنے خوبصورت آداب، اخلاق اور طریقے سکھائے کہ جس سے بہتر اور کوئی نہیں ہوسکتے تھے۔

۴۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

تادبوا ثم تعلموا.

(ابن مفلح المقدسی، الآداب الشرعیہ، ج:۳، ص: ۵۲۲)

پہلے ادب سکھایا کرو اور پھر تعلیم دیا کرو۔

یعنی پہلے ادب کی بھٹی میں انہیں پگھلاؤ اور جب وہ کندن ہوجائیں تو پھر علم کے میدان میں اتارو۔

۵۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

اے بندے اگر تو کچھ پانا چاہتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہونا چاہتا ہے تو میری ایک بات یاد کرلے۔ اس نے عرض کیا: حضور ﷺ! ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ادب ابنک. فانک مسئول عن ولدک.

(بیہقی، السنن الکبریٰ، ج:۳، ص: ۸۴، الرقم: ۴۸۷۷)

یہ تجھ پر فرض ہے کہ سب سے پہلے اپنے بیٹے کو آداب سکھاؤ کیونکہ بیٹے سے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا۔ عرض کیا کہ حضرت کیا پوچھا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ماذا ادبته وما ذا علمته.

اے بندے تجھ سے یہ پوچھا جائے گا کہ ہم نے تجھے بیٹے کی نعمت سے نوازا یعنی اولاد عطا فرمائی تو اسے زندگی میں تو نے کیا آداب سکھائے اور کتنا علم منتقل کیا۔

۶۔ امام عبدالرحمٰن القاسم فرماتے ہیں:

صحبت الامام مالک عشرين سنه فكان فيها ثمانئة عشرة فی تعليم الادب وسنتان فی تعليم العلم فليتنی جعلت العشرين كلها ادب.

(الشعرانی، الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ، ج:۱، ص: ۵۸)

میں نے امام مالک کی بارگاہ میں بیس سال گزارے جس میں سے اٹھارہ سال ادب سیکھنے میں گزارے اور صرف دو سال میں نے صرف علم سیکھنے پر صرف کیے۔ جب مجھے سمجھ آگئی اور شعور نصیب ہوا تو میں بڑا پچھتایا اور اپنے آپ سے کہا کہ اے عبدالرحمٰن کاش وہ دو سال بھی ادب سیکھنے میں لگادیتے تو کچھ اور مل جاتا۔

۷۔ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے علم کے لیے قدم رکھا اور گھر سے باہر جانا شروع ہوا تو میری والدہ نے مجھے کہا کہ اے مالک!

اذهب الی ربيعة متعلماً من ادبه قبل علماً.

(ابن فرحون المالکی، الدیباج المذہب، ص:۲۰)

اے مالک بن انس رضی اللہ عنہ تجھے نصیحت کرتی ہوں کہ جاؤ پہلے حضرت ربیعہ کی صحبت اختیار کرو اور علم سیکھنے سے پہلے ان سے کچھ اچھے آداب، رویے اور احسن مزاج سیکھ کر اپنی زندگی کا زیور بنالو۔

۸۔ امام ابن وہب فرماتے ہیں:

ما تعلمنا من ادب مالک اكثر ما تعلمنا من العلم.

(الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص: ۱۱۳)

ہم نے امام مالک کی صحبت میں ان کے علم سے زیادہ ان کے ادب سے سیکھا۔

۹۔ ابن جماعۃ فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کو تعلیم دینے کے لیے بھیجا اور کہا:

يا بنی لان تعلم بابا من الادب احب الی من ان تتعلم سبعين بابا من العلم.

(ابن جماعۃ، تذکرۃ السامع والمتکلم ۔۔۔۔، ص:۳۲)

اے میرے بیٹے سن لو! میں تجھے کس مقصد کے لیے بھیج رہا ہوں۔ ادب کا صرف ایک باب سیکھ لینا علم کے ستر باب سے زیادہ فضیلت والا اور میرے ہاں محبوب تر ہے۔

۱۰۔ امام حبیب ابن البصری فرماتے ہیں:

یابنی اذهب الفقهاء والعلماء وتعلم منهم وخذ من ادبهم فان ذالک احب الی من کثیر من الحدیث.

اے میرے بیٹے! فقہاء اور علماء کے پاس جاؤ اور ان سے علم سیکھو اور ان کا دامن تھام کر ان سے ادب سیکھو۔ یہ عمل مجھے احادیث کا ذخیرہ جمع کرنے سے زیادہ محبوب تر ہے۔

۱۱۔ امام عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں:

کاد الادب ان یکون ثلث الدین.

(ابن الجوزی، صفة الصفوة، ج:۲،ص:۳۳۰)

ادب دین کا دو تہائی حصہ ہے۔

۱۲۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

لاینبل الرجل بنوع من العلم مالم یزین علمه بالادب.

(ابن مفلح المقدسی، الآداب الشریعة ...، ج:۳،ص: ۵۲۳)

اس وقت تک کوئی شخص کسی میدان میں عالم نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے علم کو ادب کی زینت سے مزیّن نہیں کرلیتا۔

معلم، متعلم، علم اوراختلاف کے آداب

کچھ آداب ایسے ہیں جو استاذ کو مزین کرتے ہیں، انہیں آداب المعلم کہتے ہیں۔ کچھ آداب ایسے ہیں جو متعلم کو مزین کرتے ہیں، انہیں آداب المتعلم کہتے ہیں۔ کچھ آداب ایسے ہیں جو علم کو چار چاند لگادیتے ہیں، انہیں آداب العلم کہتے ہیں اور کچھ آداب ایسے ہیں جو بحث و مباحثہ کی نشستوں کو خوبصورت بنادیتے ہیں، انہیں ادب الاختلاف کہتے ہیں۔

۱۔ اوصاف و آدابِ معلم

اوصاف معلم کے باب میں امام ابن الحاج، امام قرطبی کا ایک بیان نقل کرتے ہیں کہ اے استاذ اگر تم درحقیقت اپنے میدان میں کچھ ایسا کرکے جانا چاہتے ہو جو طلبہ کے لیے رول ماڈل بن جائے تو درج ذیل بارہ نکات سیکھ لو:

۱۔ سب سے پہلے عالم کے لیے یہ ضروری اور ناگزیر ہے کہ وہ شبہات اور تشکیک کے راستوں سے محفوظ رہے اور احکام شریعت کے حوالے سے وہ ان طرق اور راستوں سے بچے جہاں شبہ، شک اور تشکیک کی گنجائش ہو۔ وہ صرف ان احکام پر عمل کرے جہاں واضحیت ہو اور جو بیّن ہوں۔

(ابن الحاج، المدخل، ج:۱،ص: ۶۷)

۲۔ **ویقلل الضحک والکلام بما لافائدة فیه.**

وہی معلم کامیاب ہوتا ہے جو زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرے اور اس کلام سے پرہیز کرے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی بے فائدہ کلام پر گفتگو سے اجتناب کرے۔

۳۔ **ویأخذ نفسه بالحلم والوقار.**

معلم اپنے لیے حلم اور وقار کا لباس چن لے اور وہی پہنا کرے۔ یعنی پیکرِ حلم اور پیکرِ وقار و متانت بن جائے۔

۴۔ **وینبغی له ان یتواضع للفقراء ویجتنب التکبر والاعجاب.**

معلم کو چاہیے کہ فقراء کے لیے تواضع اور انکساری کا پیکر بن جائے۔ یعنی رحماء بینهم کی عملی تفسیر بن جائے، جب کوئی فقیر الی سبیل اللہ مل جائے تو اس کے لیے بچھتا چلا جائے اور تکبر و خود پسندی سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی اس کے لیے تعریف کرے تو اسے اپنی ذات کی بجائے اپنے شیخ کی طرف منسوب کرے۔

۵۔ **ویتجافی عن الدنیا وابنائها ان خاف علی نفسه الفتنة.**

وہی معلم کامیاب ہے جو دنیا پرست لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے۔ اگر اسے خود دنیا کے فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ لاحق ہو تو پھر یقیناً اجتناب کرے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کا حل یوں عطا فرمایا کہ اے میرے طلبہ! اگر دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو یہ کلیہ ذہن نشین کرلو کہ دنیا میں رہو مگر دنیا کو اپنے اندر نہ آنے دو۔ دنیا پر سوار ہوکر چلو مگر دنیا کو اپنے اوپر سوار مت ہونے دو۔

۶۔ **وان لم یخف خالطهم بالظاهر مع سلامة باطنه لیبلغهم احکام ربهم علیهم.**

معلم کو اگر دنیاداری ومافیہا کا حصہ بننے اور دنیا میں دھنسنے کا خطرہ نہ ہو تو ظاہراً دنیا والوں سے میل جول رکھے مگر اپنے باطن کو دنیاداری سے بچاکے رکھے تاکہ احکامِ شریعت بھی دنیا دار اور دنیا والوں تک پہنچاسکے۔

۷۔ وینبغی له ان یکون ممن یؤمن شره ویرجی خیره ویسلم من ضره.

معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی شخصیت کا مالک بن جائے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوجائیں اور ہمیشہ اس سے خیر خواہی کی ہی امید رکھی جائے اور اس کی ایذاء رسانی سے لوگ محفوظ ہوجائیں۔

۸۔ معلم وہی ہے جو اپنی مجلس کو چغل خوروں سے محفوظ رکھے۔ یعنی کوئی شخص اس کی مجلس میں کسی کی چغلی کے لیے آئے تو وہ اسے مجلس سے پیار سے دور کردے۔

۹۔ معلم ایسے لوگوں کی صحبت میں جائے جو ہمیشہ اس کی خیر خواہی کا سبب بنیں۔۔۔ خیر اور سچائی کا راستہ دکھانے کی طرف اس کی رہنمائی کرنے میں مددگار ہوں۔۔۔ اس کو برے اخلاق سے بچا رہے ہوں اور اچھے اخلاق اس کی شخصیت میں منتقل کرنے میں مددگار ہوں۔

۱۰۔ وینبغی ان یکون خائفا علی نفسه من التقصیر۔

معلم وہی ہے جو ہر وقت اپنی ذات سے کسی قسم کی کوتاہی ہوجانے پر خائف رہے اور ہر وقت یہ سوچتا رہے کہ کہیں میری پکڑ نہ ہوجائے، کہیں کسی عمل میں مجھ سے کمی نہ رہ جائے۔

۱۱۔ مستعدا علی نفسه فی التبلیغ

اگر تبلیغ کی بات ہو تو معلم اپنی ذات سے آغاز کرے اور اپنی ذات کو ہر طرح کی تبلیغ ،تعلیم، تدریس، بھلائی اور رشد و ہدایت کے لیے مستعد اور حاضر پائے۔

۱۲۔ یری نفسه انها لیست اهلا لذلک

(القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج:۱،ص:۲۱)

معلم کو جب کوئی منصب دے دیا جائے، کسی مسند پر بٹھا دیا جائے تو ہمیشہ یہ سوچے کہ یہ تو اس کا کرم ہے کہ مجھے یہاں بٹھادیا میں تو اس قابل نہ تھا۔ جب اسے کوئی انعام دے دیا جائے، کچھ اکرام کردیا جائے، اسے نواز دیا جائے، کچھ عطا کردیا جائے، اس کو فقیہ یا خطیبِ اعظم کا کوئی Title دے دیا جائے تو وہ ایاز کی طرح صندوق کھول کر بیٹھ جائے اور کہے کہ یہ تو محمود کا کرم ہے کہ آج میں ایاز اس کے ساتھ ہوں۔ لہٰذا معلم اور شیخ وہی ہے جو محمود ہو اور متعلم وہی ہے جو ایاز ہو۔

مذکورہ اوصاف اور آداب معلم کے لیے ضروری ہیں کیونکہ شاگرد اپنے شیخ، مربی اور استاد کا آئینہ ہوتا ہے اور شیخ، معلم اور مربی پیکر اگر ان خوبصورتیوں سے مزیّن ہوگیا اور اس کے اندر یہ حسن پیدا ہوگیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان اوصاف کو اپنے شاگردوں میں منتقل نہیں کرے گا۔

۲۔علم، ذات اور نفس کے آداب

۱۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے اور جب بھی میرا علم منتقل ہوتا تھا تو میں یہی سوچتا تھا:

علم مجھ سے منتقل ہوجائے مگر کوئی ایک شخص بھی اس علم کو میری ذات سے منسوب نہ کرے۔ کوئی ایک حرف بھی مجھ سے منسوب نہ ہو مگر علم پھیلتا چلا جائے۔

(ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ج:۹،ص:۱۱۸)

پس جب عالم اس مقام پر فائز ہوجائے تو وہ عالم نہیں رہتا بلکہ عارف ہوجاتا ہے۔

۲۔ سیدنا غوث الاعظمؓ فرماتے ہیں:

کن مع الحق بلاخلق و مع الخلق بلانفس.

(مدارج السالکین، ج:۲،ص:۳۲۶)

اے بندے جب اللہ سے اپنا رابطہ قائم کرو تو ایسے ہوجاؤ جیسے درمیان میں خلق ہے ہی نہیں اور جب اللہ کی مخلوق سے رابطہ قائم کرو تو ایسے ہوجاؤ جیسے درمیان میں نفس ہے ہی نہیں۔

پھر فرمایا: یاقوم أریدوا بعلمکم الله.

(الفقیه و المتفقه، ج:۲،ص:۶۹)

اپنے علم کے ذریعے سے خدا کو پالینے کا ارادہ کیا کرو۔

پھر فرماتے ہیں: میں جب بھی کسی مجلس میں تواضع اور

انکساری کی نیت سے بیٹھا تو اٹھنے سے پہلے پوری مجلس پر فائق ہو چکا ہوتا اور جب بھی کسی مجلس میں فوقیت کی نیت سے بیٹھا تو اٹھنے سے پہلے میں رسوا ہو چکا ہوتا۔

۳۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

من طلب الرياسة في غير حينه لم يزل في ذل مابقي. (الانتقاء، ج:۱، ص:۱۶۲)

جو شخص وقت سے پہلے منصب کی تلاش میں لگ جاتا ہے وہ ساری زندگی ذلیل و رسوا ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اگر کوئی ایسا پھل کھا لے جو ابھی پکا نہ ہو تو وہ ہمیشہ بیمار ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا منصب مانگ لے جس کے ابھی اہل نہ ہو تو منصب ملنے کے باوجود وہ ہمیشہ رسوا ہی رہے گا۔

۳۔مناظرے کے آداب

۱۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

ماناظرت احدا قط على الغلبه و ددت اذا ناظرت احدا ان يظهر الله الحق على يديه.

(النووی، تہذیب الاسماء، ج:۱، ص:۴۷)

اپنے مدمقابل عالم کو پچھاڑنے کی غرض سے مناظرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ہار جیت پر شور و غوغا کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی کسی سے مناظرہ کیا تو خواہش یہ رہی کہ وہ جیت جائے اور میں ہار جاؤں۔

جب کوئی عالم یہ ارادہ کرلے تو پھر وہ عام عالم نہیں رہتا بلکہ وہ ان ائمہ کے آداب سے مزین بھی ہوتا ہے اور ان کی بارگاہ کی خیرات کو اپنے اندر پاتا بھی ہے اور امت میں تقسیم بھی کرتا ہے۔

۴۔اختلافِ رائے کا ادب

ضروری نہیں کہ اختلافِ رائے علماء، فقہاء، محدثین، باحثین اور محققین کی زندگی کا حصہ نہ ہو بلکہ اختلاف رائے ہر میدان سے تعلق رکھنے والے شخص کا حق ہوتا ہے مگر اس اختلاف کو خوبصورتی کے ساتھ انجام تک پہنچانا اور کنارے لگانا ہی ادب الاختلاف کہلاتا ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا:

الاختلاف فی امتی رحمة.

(الجصاص، احکام القرآن، ج:۲، ص:۳۱۴)

میری امت میں جو اختلاف ہے وہ درحقیقت رحمت و وسعت کا باعث ہے۔

لازم ہے کہ اس خوبصورت انداز سے اختلاف کیا جائے کہ کسی کو محسوس بھی نہ ہو۔ صحابہ کرام اس خوبصورت انداز سے اختلاف کرتے تھے کہ وہ اتفاق میں بدل جاتا۔ ذیل میں اس سلسلہ میں کچھ واقعات بیان کیے جارہے ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا ﷺ نے غزوۂ احزاب کے بعد فرمایا کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جاکر۔ صحابہ کرامؓ بنو قریظہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں جب عصر کا وقت ہوا تو کچھ صحابہ کرامؓ نے کہا ہم اس وقت تک نماز نہیں پڑھیں گے جب تک بنی قریظہ نہیں پہنچ جاتے۔ کچھ صحابہؓ نے وقت پر نماز ادا کرلی اور خود سے استدلال و استنباط بھی کرلیا کہ آقا ﷺ نے نماز پڑھنے سے تو منع نہیں فرمایا بلکہ جلد از جلد پہنچنے کی غرض سے یہ فرمایا تھا۔

جب یہ معاملہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے کسی ایک فریق کے ساتھ بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ یعنی دونوں کے لیے مشروعیت کا ایک خاموش حکم جاری فرما دیا۔ اب یہاں سے دو مشرب وجود میں آئے:

ایک مشربِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہے جو اپنی نماز کا قضاء ہونا تو قبول کر لیتے ہیں مگر آپ ﷺ کے حکم پر عمل کو ہر صورت ممکن بناتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے آرام کو مقدم جانا اور عصر کی نماز تو قضاء کروانا پسند کر لی مگر آپ ﷺ کی نیند میں خلل ڈالنا گوارا نہ کیا۔

دوسرا مشرب وہ ہے جو اپنے استدلال و استنباط پر عمل کرتے ہوئے حکم کی روح اور اصل کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

آقا ﷺ نے جب دونوں کو اجازت دے دی تو ایک گروہ ظاہر النص پر عمل کر کے درست ہوگیا اور دوسرا گروہ اشارۃ النص پر عمل کر کے درست ہوگیا۔ پتہ چلا کہ یہ اختلاف تھا مگر اس

اختلاف نے صحابہ کرامؓ کو جدا نہیں کیا بلکہ یکجان اور یک قالب ہی رکھا۔

۲۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں مذاہب اربعہ کو ہمیشہ سے ایک سوال کا سامنا رہا کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جو کسی دوسرے فقہی مذہب سے تعلق رکھتا ہو؟ پھر آپ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب ہم صحابہ کرامؓ کی حیات طیبہ کو دیکھتے ہیں اور پھر تابعین، اتباع التابعین، تبع اتباع التابعین کے ادوار کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کوئی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** بالجہر پڑھتا ہے اور کوئی بالاخفاء پڑھتا ہے۔۔۔ کوئی آمین بالجہر کہتا ہے اور کوئی آمین بالاخفاء اور بالسر کہتا ہے۔۔۔ کوئی فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتا ہے اور کوئی نہیں پڑھتا۔۔۔ کوئی اونٹ کا گوشت اور بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد وضو کا اعادہ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا۔۔۔ کوئی حجامہ یا قے کے بعد وضو کا اعادہ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا۔لیکن ان فروعی مسائل میں اختلاف رائے رکھتے ہوئے بھی وہ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔

علامہ ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ حضرت حجامہ کرانے کے بعد اور حجامہ کے ذریعے خون نکلنے کے بعد آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ وضو کا اعادہ ضروری ہے۔ اب سوال یہ ہے آپ امام مالک کی بارگاہ میں ہوں یا سعید بن مسیّب کی بارگاہ میں ہوں جن کا قول یہ ہے کہ وہ اس صورت میں وضو کے اعادہ کے قائل نہیں تو کیا آپ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ فتویٰ اپنی جگہ مگر احمد بن حنبل اگر امام دارالہجرۃ کے پاس ہو تو وہ ان کی اقتداء میں نماز نہ پڑھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ میں نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی، امام اعظم کے مزار شریف پر حاضری کے لیے گئے اور وہاں فجر کا وقت ہوگیا۔ آپ نے جب فجر کی نماز پڑھی تو اس میں قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ جب آپ کے شاگرد نے دیکھا کہ امام شافعی نے قنوت نازلہ جسے وہ سنت موکدہ کا درجہ دیتے ہیں،نہیں پڑھی تو شاگرد نے پوچھا: حضرت آج آپ نے سنت موکدہ چھوڑ دی، اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: میں امام اعظم کی زیارت کے لیے آؤں اور پھر ان کی مخالفت کرتا پھروں، یہ حسنِ ادب کے خلاف ہے۔

(شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱،ص:۳۳۵)

۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں امام اوزاعی کی بارگاہ میں ملک شام میں حاضر ہوا۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو وہ مجھے کہتے ہیں: اے خراسانی یہ کون سا بدعتی ہے جس کا ظہور کوفہ میں ہوا ہے اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ میں یہ سن کر خاموش ہوگیا۔ جب میں واپس گھر لوٹا تو امام اعظم کی ساری کتابیں نکال لیں اور ان کو کھنگالا۔ دو دن عرق ریزی کے بعد تیسرے دن آپ کی ایک کتاب اٹھا کر امام اوزاعی کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس کتاب پر نعمان بن ثابت لکھا ہوا تھا۔ جیسے ہی امام اوزاعی کی کتاب پر نظر پڑی تو مجھے فرمانے لگے کہ اے خراسانی یہ کس کی کتاب ہے؟ میں نے کتاب پیش کردی اور آپ نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ اس کا ابتدائی حصہ مکمل پڑھ لیا۔ اتنے میں نماز کا وقت بھی ہوگیا،آپ نے جماعت کروائی۔ نماز پڑھنے کے بعد پھر کتاب کو اٹھایا اور مکمل پڑھ ڈالا۔ پھر کہنے لگے: اے عبداللہ ابن مبارکؒ! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ یہ بہت بڑے فقیہ کی کتاب ہے، جو علم کا سمندر ہے، اس کتاب سے استفادہ کیا کرو۔

امام عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب میں نے امام اوزاعی کے یہ کلمات سنے تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے کہا: حضرت یہ وہی کوفی ہیں جن کے لیے آپ منع کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ خاموش ہوگئے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ پھر میں مکہ چلا گیا اور ایک روز امام اوزاعی کے ساتھ امام اعظم کو کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے سنا، بحث بڑھتی چلی گئی اور امام اعظم دلائل کا سمندر بہاتے چلے گئے۔ جب نشست برخاست ہوئی تو اس کے بعد امام

اوزاعی اور امام اعظم جدا ہوگئے۔ میں امام اوزاعی کے پاس چلا گیا اور ان کا دامن تھام کر کہا کہ حضرت اب اس نعمان بن ثابتؒ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں: خدا کی عزت کی قسم! میں نے ابوحنیفہ کو علم کا سمندر اور عقل میں بے مثال و بے نظیر، صاحب وفورِ عقل اور کثرتِ علم پایا ہے کہ جیسے جیسے میں نے ان کا علم بہتے ہوئے دیکھ رہا تھا مجھے تو ان پر رشک آ رہا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے مغفرت کرتا ہوں کہ میں خطا پر تھا اور یہ درست تھے۔ جب میں حقیقت میں ان سے ملا تو انہیں ان معلومات سے مختلف پایا جو مجھ تک پہنچتی رہیں۔ عبداللہ ابن مبارک! میں تجھے نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ ساری زندگی جب تک یہ حیات ہیں، ان کے دامن سے وابستہ رہنا اور ان سے استفادہ کرتے رہنا۔

(الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ج:۱۳،ص: ۳۳۸)

اس سے اخذ یہ ہوا کہ بڑی ہستیوں کے بڑے ظرف ہوتے ہیں۔ سلف صالحین علم کی بنیاد پر اختلاف کرتے تھے اور دلیل کی بنیاد پر اتفاق کرتے تھے۔

۵۔ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید، سیدنا امام مالک بن انسؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے سوال کیا: اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی کتاب کعبۃ اللہ سے لٹکادوں تاکہ شرق تا غرب جو زائرین آئیں، وہ اسے دیکھیں، اسے پڑھیں اور اس کے احکامات پر عمل کریں۔ دوسرے لفظوں میں مقصود یہ تھا کہ اس کتاب کے ذریعے میں سب کو فقہ مالکیہ کا ماننے والا بنادوں۔ اب کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ اس سے زیادہ اور کیا کرم ہوسکتا ہے مگر امام مالک نے فرمایا: میں اپنی کتاب ''مؤطا'' کو کعبۃ اللہ کے ساتھ آویزاں کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں مشرب کے حاملین تھے اور اختلاف رائے کو حسن سمجھتے تھے۔ ان کے پیروکار شرق تا غرب پھیل گئے ہیں، اب یہ ممکن نہیں کہ کسی ایک کتاب پر اتفاق ہوسکے۔ لہٰذا میں حضور علیہ السلام کی امت کو اختلاف رائے کے حسن سے محروم نہیں کرسکتا۔

۶۔ امام احمد بن حنبل کا شمار امام شافعی کے تلامذہ میں ہوتا ہے مگر اس کے باوجود امام احمد بن حنبل نے الگ سے فقہ حنبلی کی بنیاد رکھی اور اپنے استاد امام شافعی کی فقہ شافعی سے کئی امور میں اختلاف کیا۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے آپ سے پوچھتے ہیں کہ بابا جان! یہ امام شافعی کون ہیں؟ آپ نے وضاحت پوچھی کہ کیوں پوچھتے ہو؟ کہا: اس لیے پوچھتا ہوں کہ آپ دن رات اپنے سجدوں میں گڑگڑا کر ان کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا: بیٹے امام شافعی دنیا کے لیے سورج اور لوگوں کے لیے عافیت اور سکون ہیں۔ نہ سورج کا کوئی بدل ہوسکتا ہے اور نہ عافیت وسکون کا کوئی بدل ہوسکتا ہے۔ سمجھ لو کہ اس دور میں امام شافعی کا کوئی بدل ہی نہیں۔

۷۔ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے صالح بن احمد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز امام یحیٰی بن معین نے مجھ سے کہا کہ اے بیٹے! یہ تمہارے والد صاحب کو کیا ہوا ہے کہ جو کچھ وہ کرتے پھرتے ہیں اس پر انہیں کوئی خیال نہیں آتا۔ بیٹے نے کہا کہ حضرت! میرے والد صاحب نے ایسا کیا کیا ہے؟ فرمایا: میں نے ابھی دیکھا ہے کہ گھوڑے پر امام شافعی سوار ہیں اور آپ کے والد جو امام ہیں، وہ ننگے پاؤں گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلتے جارہے ہیں اور گھوڑے کی رکابیں بھی تھام رکھی ہیں۔ جب آپ کے صاحبزادے نے یحیٰی بن معین کی باتیں اپنے والد گرامی سے بیان کیں تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: بیٹے جب وہ دوبارہ ملیں تو انہیں میرا یہ پیغام دینا اور کہنا:

ان اردت ان تتفقه فتعال فخذ بر كابه الآخر.

(ابن عبدالبر، الانتقاء، ج:۱،ص: ۷۵)

اے یحیٰی بن معین اگر تم اس وقت کے فقیہ بننا چاہتے ہو تو گھوڑے کی دوسری رکاب خالی ہے، آکر اسے پکڑلو۔

۸۔ اسحاق بن راہویہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں گیا اور احمد بن حنبل کا اپنے شیخ کی بارگاہ میں ادب کا یہ عالم دیکھا کہ مجھے پکڑ کر کہتے ہیں: آؤ! تمہیں ایک ایسا شخص دکھاتا ہوں جس جیسا حسین تیری آنکھ نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔ لہٰذا مجھے پکڑ کر لے گئے حرم میں لے گئے اور اشارہ کیا کہ وہ دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ سامنے امام شافعی طواف کر رہے تھے۔

۹۔ امام شافعی ،امام احمد بن حنبل کے استاذ ہیں لیکن اگر احادیث روایت کرتے ہوئے امام احمد بن حنبل کا نام بطور راوی آ جاتا تو تو ان کے احترام میں ان کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ کہتے کہ کسی بہت بڑے ثقہ راوی نے مجھے یہ خبر دی اور پھر دہراتے کہ ان سے بڑا کوئی ثقہ راوی نہیں۔

۱۰۔ عبداللہ بن عبدالعظیم عنبری بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی کے ساتھ ایک نشست میں موجود تھے اور ان کے درمیان دخولِ جنت کی گواہی دینے پر مناظرہ ہورہا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ تکرار اتنا طوالت اختیار کرگیا کہ اسی دوران ان کی آواز اونچی ہوگئی۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوجائیں۔ مگر اس کے برعکس بڑی خوبصورتی سے وہ مناظرہ ختم ہوگیا۔ بعد ازاں امام احمد بن حنبل کھڑے ہوئے اور امام علی بن المدینی کی سواری لے آئے اور ان کی رکابیں خود پکڑ کر بڑے احترام کے ساتھ انہیں سوار کروایا۔

گویا آپ نے اپنے اس عمل سے یہ پیغام دیا کہ اختلاف اپنی جگہ ہے مگر احترام اپنی جگہ ہے۔

۱۱۔ امام یونس صدفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے بڑھ کر اپنے وقت کا عاقل، ذہین اور فطین کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ایک روز میرے اور ان کے درمیان ایک بحث چھڑگئی اور اختلاف رائے قائم ہوگیا۔ اس کے بعد ہم جدا ہوگئے۔ پھر ایک عرصے کے بعد امام شافعی مجھے ملے اور میرا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگے: اباموسیٰ! اختلاف اپنی جگہ، دلیل تمہیں پسند نہیں آئی یا مجھے پسند نہیں آئی اختلاف ہوگیا کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بھائی بھائی ہوکر رہیں اور اختلاف اپنی جگہ رہے۔

خلاصۂ کلام

قارئین! یہ وہ حسنِ اختلاف کا رویہ، مزاج اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ تھا جس کی وجہ سے سلف صالحین تاقیامت امت کے لیے علم کے دروازے کھول گئے۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں پر استدلال کی بنیاد پر اختلاف ہے اور کہیں استنباط کی بنا پر اختلاف ہے، کہیں پر تفردات کی بنا پر اختلاف ہے تو کہیں تشریحات و توضیحات کی بنیاد پر اختلاف ہے مگر اہلِ علم وہ تھے جو اختلاف کو امت کے لیے رحمت سمجھا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا علم آج تک ختم نہیں ہوسکا بلکہ سمندر کی طرح بہہ رہا ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ جدل و جدال، بحث و مباحثے اور مناظرے کی صورت میں طعن و تشنیع اور تکفیری رویہ چھوڑ کر حسنِ اختلاف رائے کی روش اپنائی جائے جو سلف صالحین کی روش تھی۔ آج ہمیں ان ائمہ کی سنت پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ علم کی عظمت و رفعت اسی میں ہے کہ غلطی پر ہوں تو غلطی کا اعتراف کرکے صحیح رائے کو تھام لیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے لے کر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اتباع التابعین، اولیاء وصوفیاء اور ہر دور کے علماء ربانیین اور مصلحین کی سنت ہی یہی ہے کہ اختلاف برائے اختلاف نہیں بلکہ اختلاف برائے اتفاق امت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہستیاں روشن چراغ ہوگئیں اور آج ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

یہ جملہ ائمہ اپنے اپنے مذاہب کے امام بھی ہیں، ان کے درمیان استاذ اور شاگرد کے رشتے بھی ہیں مگر احترام انسانیت، احترام آدمیت اور علم کو کبھی نہیں بھولے۔ آج ہم اختلاف کرتے ہیں مگر افسوس اس اختلاف کو ذاتی مخالفت کا رنگ دے کر دل میں کینہ اور بغض پالتے رہتے ہیں۔ ہمیں آج ان ائمہ کرام کے مشرب کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اگر ان ائمہ کے طریق کو اپنالیا تو یہ امت پیکر رحمت ہوجائے گی اور ان کا باہمی اختلاف بھی باعث رحمت ہوگا۔ لہذا حسنِ اختلاف و ادبِ اختلاف سے اپنی زندگیوں کو مزین کریں۔ اختلاف کے نتیجے میں اس قدر فاصلے نہ بڑھائیں کہ بعد میں ایک دوسرے سے مل بھی نہ سکیں اور نہ ہی ایک دوسرے کا سامنا کرنے کی ہمت ہوسکے۔ اگر دلیل مل جائے تو پھر متفق ہوجایا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علم و عمل میں اضافہ فرمائے اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے اپنے ظاہر و باطن کو منور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

پاکستان کا معاشی بحران اور اس کا حل

کسی بھی ملک کے سیاسی، سماجی، معاشی حالات کے جائزہ کے لئے ''ورلڈ جسٹس پروجیکٹ'' نے 8 پیرامیٹرز مقرر کئے ہیں

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری (صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل)

آج ملک پاکستان ایک معاشی بحران کا شکار ہے۔ اس بحران سے کیسے نکلا جا سکتا ہے اور اس مملکتِ خداداد کی معیشت کو کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے؟ اس موضوع پر مطالعہ سے قبل یہ امر ذہن نشین رہے کہ سیاسی استحکام کے بغیر معاشی استحکام ناممکن ہے۔ پاکستان کے معاشی حالات کی ابتری میں اس کے سیاسی عدم استحکام کا نمایاں کردار ہے۔ اس اصولی بات کو سمجھ لینے کے بعد آیئے اب پاکستان کی موجودہ معاشی صورتحال کا ایک طائرانہ جائزہ لیتے ہیں:

پاکستان کی موجودہ معاشی صورتحال

اکنامک پلاننگ کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق 1960ء میں پاکستان کی برآمدات تقریباً دو سو ملین ڈالرز تھی جبکہ اس وقت جنوبی کوریا، ملائیشیا اور تھائی لینڈ، ان تینوں ممالک کی مجموعی برآمدات بھی تقریباً دو سو ملین تھی۔ آج صورتحال یہ ہے کہ صرف جنوبی کوریا کی برآمدات 600 ارب ڈالرز، ملائشیا کی برآمدات 300 ارب ڈالرز، تھائی لینڈ کی برآمدات 267 ارب ڈالرز، ترکی کی برآمدات 288 ارب ڈالرز جبکہ پاکستان کی برآمدات فقط 30 ارب ڈالرز ہے۔

ہمارا آغاز تو بہت اچھا ہوا تھا، سنہرا اور روشن تھا لیکن نہ جانے 75 سال کے سفر میں ترقی کے وہ خواب اور وہ حسین منازل کہاں کھو گئیں۔ ہمارے ساتھ چلنے والے ممالک ترقی کا سفر طے کرتے کرتے کہاں پہنچ گئے اور پاکستان آج اپنے بنیادی حقوق کے حصول کی جنگ لڑ رہا ہے۔

کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کے معاشی احوال میں اس کی موسمی اور جغرافیائی صورتحال کا بہت عمل دخل ہوا کرتا ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور کم و بیش ساڑھے تین کروڑ پاکستانی بلا واسطہ یا بلواسطہ اسی شعبے سے وابستہ ہیں لیکن افسوس کہ یہ شعبہ بھی آج جس طرح بدحالی کا شکار ہے، کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح آج دیگر شعبہ جات کے حقائق کو اعداد و شمار کی روشنی میں جانتے چلے جائیں تو ایک عام پاکستانی اس کا ادراک حاصل کر کے پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ سب کیسے ممکن ہوا اور ہم اس دوراہے پر آ کر کیوں کھڑے ہوگئے ہیں۔ اس پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

پاکستان میں قومی ادارے زوال کا شکار کیوں؟

ایک معروف معیشت دان(Economist) نے ایک تحقیق پیش کی ہے جس میں انہوں نے نہایت دلچسپ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان کے بیان کردہ امور کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم تاریخ

☆ خطاب نمبر: HG-13، تاریخ: 28 اگست 2022ء، اسلام آباد

کا مطالعہ کرتے ہیں اور colonial master برطانیہ کو دیکھتے ہیں جس نے دنیا کے اتنے حصے پر حکومت کی کہ کہا جاتا ہے کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ ان کے ہاں دو طرح کے ماڈلز تھے۔ کچھ ممالک کے اندر انہوں نے جو انسٹی ٹیوشنز (ادارے) develope کیے وہ inclusive انسٹی ٹیوشنز کہلائے اور کچھ ممالک میں ایسے انسٹی ٹیوشنز بنائے جو اپنی شکل اور ہیئت کی وجہ سے instructive انسٹی ٹیوشنز کہلائے۔

inclusive انسٹی ٹیوشن وہ ہوتا ہے جہاں پر انسان کسی principle (اصول) کے تحت roles and regulations کو follow (پیروی) کرتا ہے۔ وہاں justice (انصاف)، human rights (بنیادی انسانی حقوق) موجود ہوتے ہیں۔ ان میں elite (اشرافیہ)اور Common man (عام آدمی)کے درمیان فرق نہیں ہوتا اور یہاں انصاف سب کے لیے برابر ہوتا ہے۔

Instructive انسٹی ٹیوشنز وہ ہوتے ہیں جہاں پر elite (اشرافیہ) اور commmon man(عام آدمی) کے لیے قانون، انصاف اور بنیادی حقوق کی صورتحال مختلف ہوا کرتی ہے۔ جن ممالک کے اندر ان حکمرانوں کو زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، ان ممالک میں instructive انسٹی ٹیوشنز قائم کیے گئے اور جن ممالک کے اندر مزاحمت کا سامنا نہ ہوا وہاں پر inclusive انسٹی ٹیوشنز قائم کیے گئے۔

☆ اس economist نے ان ممالک کی فہرست بھی بیان کی ہے جہاں instructive انسٹی ٹیوشنز قائم کیے گئے۔ ان میں کانگو، برصغیر پاک و ہند اور میکسیکو جیسے ممالک شامل ہیں۔ ان ممالک میں جان بوجھ کر elite اور non elite کے درمیان تفریق قائم کی گئی۔ یعنی ان ممالک کے نظام میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ وہ نظام ایک ہی ملک میں رہنے والے لوگوں کو دو طرح کے الگ قانون دے سکے۔ اس کے برعکس وہ ممالک جیسا کہ آسٹریلیا، امریکہ، برطانیہ اور جنھیں آج ہم فرسٹ ورلڈ نیشنز شمار کرتے ہیں۔ ان ممالک کے اندر inclusive انسٹی ٹیوشنز قائم کیے گئے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ بنیاد کیسے پڑی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ جب تقسیم ہوئی اور ملک آزاد ہوئے تو ان کے اندر جو مختلف نظام، انسٹی ٹیوشنز اور بیورو کریسز تھیں، وہ اسی پرانے نظام کی trained (تربیت یافتہ) تھیں اور جب اوپر سے نگرانی کا عمل (supervision) کمزور ہوا تو elite سسٹم پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوگیا۔

اس economist کے نزدیک جن ممالک کے اندر Instructive انسٹی ٹیوشنز کا قیام عمل میں آیا، اب ان کے لیے امید کی کوئی کرن نہیں ہے کہ ان ممالک کے سسٹم میں کوئی تبدیلی رونما ہوسکے گی کیونکہ ساٹھ ستر سال بیت جانے پر وہ elite class اتنی مضبوط ہوچکی ہے کہ اب اسے بآسانی ختم کرنا مشکل کام ہے۔

اسی طرح اگر instructive انسٹی ٹیوشنز اور Inclusive انسٹی ٹیوشنز کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ وہ ممالک جو same region (ایک ہی علاقے) میں ہیں مگر ان میں سے کچھ ممالک کے اندر Inclusive انسٹی ٹیوشنز قائم ہیں اور کچھ ممالک میں Instructive انسٹی ٹیوشنز موجود ہیں، ان میں سے ان ممالک نے ترقی کر لی جن میں Inclusive انسٹی ٹیوشنز قائم ہیں۔

اس تناظر کو مدنظر رکھتے ہوئے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں طرح کے ممالک میں ترقی کی شرح میں کتنا فرق ہے۔ بہت سے ممالک ہمسائے ہیں اور ترقی کا سفر بھی انہوں نے ساتھ ساتھ شروع کیا لیکن ایک ملک ترقی کرگیا اور دوسرا ملک اتنا ہی تباہ حال ہوگیا۔ مثلاً: ایک طرف امریکہ ہے تو دوسری طرف اس کا ہمسایہ ملک میکسیکو ہے۔ ایک طرف ساؤتھ کوریا ہے تو دوسری طرف نارتھ کوریا ہے کہ ایک ملک ترقی کے عروج پر ہے تو دوسرا ملک ہمسایہ ہونے کے باوجود تنزلی اور زوال کا شکار ہے۔

آیئے اسی تناظر میں پاکستان کا جائزہ لیتے ہیں۔

پاکستان کے اندر انسٹی ٹیوشنل تقسیم کا بغور جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ آج پاکستان کو جس بھی پہلو سے دیکھیں تو یہ زوال کا شکار نظر آتا ہے۔ قانون کی حکمرانی کی صورتحال ہو یا انسانی بنیادی حقوق کی ادائیگی کا معاملہ، صورتحال ابتر نظر آتی ہے۔ ہم جتنی بھی حکومتیں تبدیل کرتے رہیں، اقتدار بدلتا رہے لیکن اس کے باوجود سسٹم تبدیل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال پچھلے کئی سالوں سے ہمارے سامنے ہے۔ حکومتیں تبدیل ہوئیں، پارٹیاں تبدیل ہوئیں لیکن سسٹم جوں کا توں ہے، اس کے اندر خاطر خواہ تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ان سسٹمز نے ملک کو جکڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک ہزار انتخابات بھی کرا لیے جائیں تو جب تک یہ نظام تبدیل نہیں ہوگا، تب تک ملک میں خوشحالی نہیں آسکتی کیونکہ یہ نظام عوام کو کچھ نہیں دے سکتا۔

پاکستان کی معیشت پر بین الاقوامی سروے رپورٹس

☆ world justice project ایک انٹرنیشنل رپورٹ ہے جو بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک کے اندر درج ذیل 8 پیرامیٹرز، سٹینڈرز اور factors کی روشنی میں جائزہ لیتی ہے کہ کون سا ملک کن حالات سے گزر رہا ہے اور ان عوامل کی روشنی میں ممالک کی کارکردگی کو جانچا جاتا ہے:

۱۔ Consantraints on government power

۲۔ Absence of corruption

۳۔ Open government

۴۔ Fundamental rights

۵۔ Order and security

۶۔ Regulatory enforcement

۷۔ Civil justice

۸۔ Criminal justice

وہ انسٹی ٹیوشنز جو colonial master برطانیہ نے دیئے، ان کا جائزہ بین الاقوامی رپورٹ کی روشنی میں لیتے ہیں۔ اس رپورٹ کا بین الاقوامی سائز عموماً 138 ہزار گھرانوں پر محیط ہوتا ہے اور تقریباً چار ہزار دو سو ماہرین اس سروے کی تیاری میں حصہ لیتے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق کل 139 ممالک میں سے مذکورہ تمام انسٹی ٹیوشنل سٹینڈرز پر پورا اترنے کے اعتبار سے پاکستان 130 ویں نمبر پر ہے اور ساؤتھ ایشیاء کے چھ بنیادی ممالک جن میں نیپال، بھوٹان اور مالدیپ جیسے چھوٹے ممالک بھی ہیں، ان میں پاکستان کا 5 واں نمبر ہے۔

اسی رپورٹ کے مطابق مذکورہ standards پر پورا اترنے کے اعتبار سے ان ممالک میں سب سے lowest لیول پر تین ممالک؛ بنگلہ دیش، پاکستان اور افغانستان ہیں۔ پھر ایک اور المیہ یہ ہے کہ یہ تینوں مسلمان ممالک ہیں۔

پچھلے 75 سال میں پاکستان میں موجود انسٹی ٹیوشنز develope نہیں ہوسکے۔ جب تک مضبوط انسٹی ٹیوشنز نہیں ہوں گے، اس وقت تک اقتدار اور ایوان میں افراد بدلنے کے باوجود عوام بنیادی ضروریات سے محروم رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے پونے چار سال PTI کا دور حکومت بے انتہا نیک خواہشات، جذبات، ایمانداری، دیانتداری کے جذبے سے بھرپور اچھے افراد کی موجودگی کے باوجود اس سسٹم نے یوں جکڑے رکھا کہ ان کو اپنا کام نہیں کرنے دیا گیا۔ اگر پہلے کام نہیں کرنے دیا گیا تو یہ سسٹم آئندہ بھی کام نہیں کرنے دے گا۔ اس کا کوئی اور حل ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں ایک space create ہو اور اس space کے تحت انسٹی ٹیوشنز کی restructuring اور redevelopment ہو۔

☆ اسی طرح gender discriminations (صنفی امتیاز، خواتین سے سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی) کے بارے میں ایک انٹرنیشنل رپورٹ ورلڈ اکنامک فورم نے 2022ء میں جاری کی ہے۔ انہوں نے پاکستان کو 146 ممالک میں سے 145 ویں نمبر پر رکھا ہے۔

معاشی بحران سے نجات کا حل

یہ وہ صورتحال ہے جو ہمارے معاشی بحرانوں کا سبب بنتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان معاشی بحرانوں سے نجات کیسے حاصل کی جائے۔ یاد رکھیں! اس کا short cut بھی نہیں ہے

اور نہ ہی کوئی اللہ دین کا چراغ ہے کہ کوئی دو چار مہینے کے اندر قوم کی تقدیر بدل دے۔ ایسا ممکن نہیں کیونکہ پاکستان کو قرضوں پر جینا پڑ رہا ہے۔ ہمیں بعض اوقات یہ بات سننے میں بری لگتی ہے کہ ہم مانگ کر جی رہے ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ مانگ کر جی رہیں ہیں مگر اس پر بات بھی نہ کر رہے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف سنجیدگی سے متوجہ بھی نہیں ہو رہے۔ بس ہمیں کوئی یہ بات نہ کہے کہ تم قرضے پر جیتے ہو اور مانگ کر جیتے ہو۔ بدقسمتی سے پاکستان کے حالات یہ ہیں کہ آج زر مبادلہ کے ذخائر سات بلین یا اس سے بھی کم ہیں۔ کراچی پورٹ پر آج بھی اتنا سامان رکا ہوا ہے اگر اس کی ادئیگی پاکستان سٹیٹ بنک کردے تو یہ سات بلین ڈالر بھی ریاست پاکستان کے پاس نہ بچیں۔ اگر IMF قرضہ نہیں دیتا تو پاکستان کے پاس جینے کے لیے چند مہینے بھی نہیں بچتے۔

short term پلاننگ

ان حالات میں long term منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ short term plans پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ کون سے ایسے ایریاز ہیں جن پر آج فوری توجہ دی جائے تو پاکستان کو کچھ معاشی مہلت میسر آجائے۔ جن ممالک نے ترقی کی ہے، ان کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ جرمنی نے کھلونوں کی انڈسٹری develope کی اور اس کو بڑھا کر آج اس نے آٹو موٹر کی اتنی بڑی انڈسٹری قائم کردی کہ پوری دنیا میں 34 فیصد آٹو سپلائی جرمنی کررہا ہے۔ اسی طرح ساؤتھ کوریا، چائنہ، جاپان اور دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک اسی پیٹرن پر چلے اور آج وہ پوری دنیا میں ٹیکنالوجی کے بڑے ایکسپورٹرز ہیں۔

کوئی وجہ نہیں ہے کہ پاکستان یہ سب کچھ نہ کر پائے لیکن بدقسمتی سے ہمارے پاس will (ارادہ)، focus (توجہ) اور vision (اعلیٰ سوچ) نہیں ہے۔ اگر درج ذیل تین سیکٹرز پر فی الفور ترجیح بنیادوں پر توجہ دی جائے جو کہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے اور ریاست کی حفاظت اور مستقبل کے لیے ضروری ہے تو یقینی طور پر ہماری معیشت کو space میسر آسکتا ہے اور ہم بطور قوم اور ملک survive رجائیں گے:

۱۔ زراعت۔ ۲۔ آئی ٹی / سوفٹ ویئر۔ ۳۔ مائننگ (کان کنی)

۱۔ IT / سوفٹ ویئر ٹیکنالوجی

معیشت میں مختصر وقت میں کچھ نہ کچھ مثبت تبدیلی جن سیکٹرز سے میسر آسکتی ہے، ان سیکٹرز میں سرفہرست IT اور سوفٹ ویئر ایکسپورٹ کا شعبہ ہے۔ آج IT ایکسپورٹ ناگزیر ہے جس کی طرف ہمیں فوری متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارا ہمسایہ ملک انڈیا اس وقت دنیا بھر میں تقریباً 267 بلین ڈالرز کی IT ایکسپورٹ کررہا ہے جبکہ پاکستان صرف 2 بلین ڈالرز کی IT ایکسپورٹ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا سیکٹر ہے جہاں پر انفراسٹرکچر کی فوری ضرورت نہیں ہے۔ صرف افرادی قوت کو تربیت دینے کی ضرورت ہے اور منظّم طریقے سے صرف 6 مہینوں کے اندر اپنی ایکسپورٹ کو بڑھا سکتے ہیں اور ملک کے لیے revenue پیدا کرسکتے ہیں۔ بڑی انڈسٹری سے revenue حاصل کرنے میں کئی سال لگ سکتے ہیں لیکن IT اس وقت ایسا سیکٹر ہے جو فی الفور کیا جاسکتا ہے اور جو human resource (افرادی قوت) پاکستان کے پاس ہے، اسے باقاعدہ تربیت دے کر ہم اس میدان میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ کے لیے جدید اور مفید IT کورسز اور skills متعارف کروائی جائیں اور انھیں ملک بھر میں عام کیا جائے۔ اگر صرف یہ ہی قدم اٹھا لیا جائے تو ہم صرف 6 ماہ میں اپنے مقصد کو حاصل کرسکتے ہیں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ انڈیا میں سافٹ ویئر اور سافٹ ویئر development کی 32 ہزار کمپنیز ہیں جو لاکھوں لوگوں کو ملازمتیں دیتی ہیں۔ امریکہ میں 5 لاکھ 85 ہزار IT کمپنیز کام کررہی ہیں۔ چائنہ میں 40 ہزار کمپنیز کام کررہی ہیں جبکہ پاکستان میں صرف 2 ہزار IT کمپنیز ہیں اور ان میں سے بھی 80 فیصد چھوٹی کمپنیز ہیں۔ لہذا ہمیں فی الفور اس پہلو کی طرف متوجہ ہونے اور اس سیکٹر کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

۲۔معدنیات

پوری دنیا کی تقریباً چارسو ایک بلین ڈالرز کی ایکسپورٹ کا تعلق mining(معدنیات نکالنے) سے جڑا ہوا ہے۔ پاکستان کے پاس معدنیات(لوہا، تانبا، سونا، کوئلہ وغیرہ) کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے لیکن بدقسمتی سے پاکستان معدنیات سے متعلقہ پوری دنیا کی کل ایکسپورٹ میں 0.01 فیصد بھی contribute نہیں کرتا۔ یہ لمحہ فکریہ ہے کہ پاکستان اپنے مائننگ سیکٹر سے صحیح انداز سے کیوں فائدہ نہیں اٹھا رہا۔ جس طرح IT سیکٹر سے پاکستان کو revenue میسر آسکتا ہے، اسی طرح اگر فی الفور مائننگ سیکٹرز پر توجہ دی جائے اور اس کی ایکسپورٹ کو بڑھایا جائے تو پاکستان معاشی طور پر ایک مضبوط ملک بن سکتا ہے۔ آج جب ہم معاشی ایمرجنسی کی بات کرتے ہیں تو نہ جانے اس شعبہ کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہم برازیل کے ماڈل پر چل کر پاکستان کو کیوں مضبوط نہیں کرسکتے۔2000ء میں برازیل سالانہ 10 بلین ڈالرز کی معدنیات ایکسپورٹ کرتا تھا۔2020ء میں 50 بلین ڈالرز کی سالانہ ایکسپورٹ کررہا ہے جبکہ پاکستان اس حوالے سے بہت دور دکھائی دیتا ہے حالانکہ انٹرنیشنل سروے کے مطابق پاکستان میں کم وبیش 6 لاکھ مربع کلومیٹر رقبہ پر یہ وسائل موجود ہیں۔

بدقسمتی سے پاکستان میں مائننگ سیکٹر کے لیے باقاعدہ قانون سازی موجود ہی نہیں ہے۔ آج اگر کوئی بیرونی سرمایہ کار پاکستان میں معدنیات کو نکالنے کا خواہشمند نظر آتا ہے تو ہم نے یہ تک طے نہیں کر رکھا کہ اگر وہ مائننگ کرنا چاہتا ہے تو مائننگ کرنے والی اس پرائیویٹ کمپنی کے ساتھ کتنے فیصد پر معاملہ طے کرنا ہے۔ آج اگر سرکاری دفاتر میں حکومتی دستاویز اور معاہدوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو کمپنیز ہمارے ملک سے معدنیات نکال رہی ہیں اور باہر جا کر فروخت کر رہی ہیں تو اس کے عوض ان میں سے کوئی پاکستان کو پانچ فیصد رائلٹی دے رہا ہے، کوئی آٹھ فیصد دے رہا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ آج تک یہ طے ہی نہیں ہوا کہ بلوچستان سے اگر کوئی معدنیات نکالے گا تو پاکستان کا حصہ کیا ہوگا۔ اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگر اس شعبہ پر سنجیدگی سے توجہ دی جائے اور عملی اقدامات کئے جائیں تو یہ شعبہ مستقبل میں پاکستان کی life line اور backbone بن سکتا ہے۔

محفوظ مستقبل کی ضمانت معاشی خود انحصاری پر ہے

آج پوری دنیا گلوبلائزیشن سے shift ہوکر نیشنل سیکیورٹی کے ماڈل پر جارہی ہے اور گلابلائزیشن کی بحث پرانی ہوگئی ہے۔ آج بین الاقوامی محققین یہ کہہ رہے ہیں کہ مستقبل میں اب اس ملک کا survival ہے اور مستقبل محفوظ ہے جس کی جتنی زیادہ independence ہے اور انٹرنیشنل ریلیشنز اور ریسورسز کے اوپر جتنی کم dependence ہے۔ آج کی نئی دنیا independence کا تقاضا کرتی ہے اور independence کا تقاضا اس وقت مکمل ہوگا جب فوڈ سیکیورٹی کے ایریا کی طرف پاکستان سنجیدگی سے متوجہ ہوگا اور کم از کم ضرورت فوڈ پروڈکٹس پاکستان سے بننا یا پیدا ہونا شروع ہوجائے گی۔ گویا جس کی فوڈ سیکیورٹی جتنی زیادہ ہے، اس کی نیشنل سیکیورٹی اسی قدر ہے۔ ہمارا انحصار امپورٹ(درآمدات) پر جتنا کم ہوگا اسی قدر ہم محفوظ ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ تبھی ممکن ہوگا جب ہم اس حوالے سے پالیسیز بنائیں گے اور اسی پر کام کریں گے۔

معاشی پالیسیز کا تسلسل یقینی بنانے کی ضرورت

ایک بین الاقوامی سروے ہے جو consistency of policies کے حوالے سے ممالک کی لسٹ تیار کرتا ہے کہ کون سا ملک اپنی پالیسی کے اعتبار سے کتنا consistence ہے۔ پھر یہ سروے فیصلہ کرتا ہے کہ کون سا ملک اس consistency کے نتیجے میں کتنی ترقی کر پایا ہے اور کتنی ترقی نہیں کر پایا؟ بدقسمتی سے اس سروے میں بھی پاکستان سب سے lowest rank میں ہے یعنی پاکستان میں بدترین consistency of policies ہے۔اس مسئلہ نے پاکستان کو بننے نہیں دیا اور ہمارے ہر مسئلے کی بنیاد consistency of policy ہے۔

ایسا اس وقت ہوتا ہے جب انسٹی ٹیوشنز نہیں ہوتے۔ دنیا

میں ان ہی اقوام نے ترقی کی ہے اور دنیا کے نقشے پر ابھری ہیں جنہوں نے اپنی پالیسیز کو تسلسل سے جاری رکھا ہے۔ یہ ممالک ایک دو سال یا پانچ دس سال کے لیے نہیں بلکہ بیس بیس سال کے لیے ایک پالیسی کو لے کر چلے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان کے اندر یہ تسلسل برقرار نہیں رہا۔ سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ اگر ہر سال ایک سکول کا پرنسپل ہی بدل دیں تو سکول کبھی معیاری سکول نہیں بنے گا۔

اسی طرح ایسا ملک جہاں پر سیاسی رسہ کشی کی حالت یہ ہو کہ دو اڑھائی سال کے بعد ایک حکومت ختم ہو جائے اور دوسری جماعت اقتدار میں آجائے پھر کچھ عرصہ بعد پہلے والے حکمران اس حکومت کو گرانے کے درپے ہوجائیں اور ان کی حکومت کے بعد خود اقتدار سنبھال لیں۔ اب دوسری جماعت انھیں گرانے کے درپے ہوجائے اور اس طرح یہ تماشا چلتا رہے۔ کسی بھی ملک میں کبھی consistency of policy کے بغیر ترقی نہیں آسکتی۔ آج کی سیاسی جماعتوں سے قطع نظر پاکستان کو consistency چاہیے اور پاکستان کے ہر مسئلے کا حل consistency of policy کے اندر ہے کہ دس پندرہ سال ملک کی معاشی اور خارجہ پالیسی اور اس طرح کی دیگر پالیسیز تسلسل سے جاری رہیں اور اس سفر میں کوئی رکاوٹ نہ آئے تو پھر شاید امکان ہے کہ survival ہوجائے۔ بصورت دیگر بے جا اور ناجائز امیدیں رکھنا بھی ناجائز عمل ہے۔

☆ اس حوالے سے ہم دنیا کے کئی ممالک کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ مثلاً: امریکہ میں حکومتیں بدلتی ہیں مگر ہزارہا اختلافات کے باوجود پچھلی حکومت کے بہت سے فیصلے اگلی حکومت جاری رکھتی ہے بلکہ انہیں تبدیل کرنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ کیونکہ وہاں سیاست جدا ہے اور ریاست جدا ہے اور ہر کوئی ریاست کے بارے میں سوچتا ہے مگر پاکستان کی تاریخ یہ ہے کہ یہاں پر سیاست کو ریاست پر مقدم جانا جاتا ہے۔ پاکستان میں جب نئی حکومتی آتی ہے تو وہ اپنا فرضِ عین سمجھتی ہے کہ پچھلے دور حکومت کے تمام منصوبے اور policies کو تبدیل کردیا جائے۔ جتنے نئے پروگرام شروع کیے گئے ہوتے ہیں، ان پر بندش لگادی جاتی ہے۔ کبھی منصوبوں کے نام بدلتے ہیں اور کبھی منصوبوں کو بدل دیتے ہیں۔ کوئی روڈ انفراسٹرکچر بن رہا ہے تو نئی حکومت وہ بند کردے گی اور دوسری جگہ پر شروع کردے گی تاکہ وہاں پر اس کے نام کی تختی لگ جائے۔ ایسی صورتحال میں ملک کیسے ترقی کرسکتا ہے۔

پاکستان میں کوئی ایسی سپریم اتھارٹی بھی نہیں ہے جو اس چیز کو مانیٹر کرسکے کہ consistency of policy ہو۔ اقتدار بھلے تبدیل ہوجائے لیکن پاکستان کے مفاد میں لیے گئے فیصلہ جات تسلسل کے ساتھ جاری رہیں۔ افسوس کہ اس طرح کی نگرانی کرنے والے کوئی بھی ادارہ نہیں ہے نتیجتاً پاکستان کے موجودہ حالات ہمارے سامنے ہیں۔

☆ چائنہ میں ایک سپریم فورم پولوٹو بیورو کے نام سے موجود ہے جو ملکی مفادات کے تحفظ کے لئے پالیسیز کے تسلسل کی نگرانی کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی سیاست اور انتخابی نظام کو کو اس فورم سے جدا رکھا ہوا ہے۔ یہ فورم چائنہ کے معیشت، امور خارجہ اور دیگر اہم امور کی پالیسیز کے تسلسل سے قائم رہنے کو یقینی بناتا ہے۔ بھلے اقتدار تبدیل ہوتے رہیں، جتنے مرضی حکمران بدل جائیں، باراک اوبامہ آجائے یا کوئی اور آجائے، consistency of policy رہتی ہے۔ جیسے باراک اوبامہ کے آنے سے مسلم دنیا کو ایک امید جاگی کہ اس کے ننھیال سے کوئی مسلمان تھا تو یہ مسلم دنیا کے بارے میں اچھا سوچیں گے اور خیرخواہی کریں گے لیکن بش ایڈمنسٹریشن ہو یا باراک اوبامہ ایڈمنسٹریشن، کسی پالیسی کا تسلسل ختم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں کی پالیسیز کوئی اور دیکھتا ہے اور سیاست عوام دیکھتی ہے لیکن پاکستان کے اندر ہم نے یہ سب خلط ملط کررکھا ہے۔

☆ 13 مئی 1969ء ملائیشیا کی تاریخ کا ایک عظیم دن ہے۔ اس دن انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ملائیشیا پسماندہ نہیں رہے گا۔ پس انھوں نے 1971ء کے اندر نیشنل آپریشن کونسل کے نام سے ایک نیو اکنامک پالیسی کا اجراء کیا اور ایک نئی کونسل تشکیل دے دی جس کا وہاں کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ انتخابی سیاست اپنی جگہ چلتی رہی، الیکشن ہوتے رہے، سیاسی اور

جمہوری مراحل جاری رہے لیکن ایک کونسل جدا ہوگئی جس کے اندر تمام طاقتور انسٹی ٹیوشنز اور طبقات جمع ہوگئے جو ملائیشیا کی اکنامک پالیسی اور مستقبل کا تعین کرتے رہے۔ اس کونسل کی دی گئی پالیسی بیس سال بغیر انقطاع کے جاری رہی جس کا نتیجہ آج کا ملائیشیا ہے۔ بیس سال سے وہ کونسل اس بات کو یقینی بنا رہی تھی کہ development اور economic policy میں کوئی انقطاع نہ آئے۔ جو policy اختیار کی گئی ہے، چاہے وہ زرعی ہو یا صنعتی، تسلسل سے جاری رہے۔ سیاست اپنی جگہ چلتی رہے مگر ان policies کو کوئی آنچ نہیں آنے دی جائے گی۔ پھر بیس سال بعد 1991ء میں دوبارہ national develope policy کے نام سے ایک نئی پالیسی کا اجراء کیا گیا جو اگلے بیس سال تک جاری رہی۔ مہاتیر محمد 22 سال اقتدار میں رہے اور ایک پالیسی کے ساتھ انھوں نے ملائیشیا کو ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل کر دیا۔ ہر developed nation کی مثال اسی طرح کی ہے کہ انہوں نے اسی انداز اور طریقے کے ساتھ چلتے ہوئے نتائج حاصل کیے۔

ملکی پالیسیز کے تسلسل کے لیے نگران کونسل کی تشکیل

پاکستان کو درپیش حالات کے تناظر میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ موجودہ صورتحال میں پاکستان بھی فی الفور اپنی ایک کونسل تشکیل دے۔ اس کونسل کو pakistan economic prosperity and security یا کوئی اور نام دیا جائے۔ یہ کونسل سیاست سے جدا ہو۔ سیاسی اور جمہوری نظام عوام کی رائے پر مبنی اقدامات کرتا رہے لیکن پاکستان کی اکانومی کو اس سے الگ کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اگلے 75 سال میں بھی پاکستان ترقی نہیں کر سکے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اگر آج اقتدار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو تبدیل کر کے نئی حکومت لے آئیں تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ان کو دو سال بعد نہیں گرایا جائے گا اور اگر دوسروں کو بٹھا دیں تو ان کی کیا گارنٹی ہے کہ پچھلے حکمران ان کو نہیں گرائیں گے۔ اس لیے ان سیاسی و جمہوری مراحل کو الگ کر دیں، عوام اور سیاستدان اسے جیسے مرضی چلائیں مگر پاکستان کی اکانومی کو تحفظ دینے کے لیے فوری ایک کونسل بنا دی جائے۔

☆ اس کونسل میں سب لوگوں کو برابر کا حصہ دار اور شریک بنایا جائے۔ اعلیٰ عدلیہ، افواج پاکستان، سیاستدان، حکومتی اور اپوزیشن کے نمائندے، ٹیکنوکریٹس، مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ماہرین، الغرض تمام سٹیک ہولڈرز جو سسٹم کو چلاتے ہیں، اس کونسل کے ممبر ہوں تاکہ کسی کو اس پر اعتراض نہ ہو۔

☆ اس کونسل کو دس، پندرہ، بیس سال تک جاری رہنا چاہیے اور یہ سیاسی نظام سے مکمل طور پر جدا ہوں۔ اس کونسل کا تعلق صرف اور صرف پاکستان کی development اور اکانومی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس کونسل کی قانونی حیثیت ہونی چاہیے۔ یہ آئینی طور پر کسی آرٹیکل کے تحت قائم ہو۔ اس کو بنانے کے لیے کیا کیا درکار ہے؟ یہ سب ماہرینِ قانون طے کریں گے لیکن اس کونسل کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے۔

☆ اس کونسل کے تحت درج ذیل شعبہ جات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

۱۔ ڈیزاسٹر مینجمنٹ ۲۔ مائننگ ۳۔ IT/سوفٹ ویئر ٹیکنالوجی
۴۔ زراعت ۵۔ نیشنل فوڈ سیکیورٹی ۶۔ انرجی سیکٹر
۷۔ consistancy of policy کی نگرانی

سو بار کان اور آنکھیں بند کر لیں لیکن ہم حقیقت سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ یہ سیاسی بیان نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں پاکستان کے مسائل کے حل کی بات ہے کہ ایسا پلیٹ فارم بنا دیا جائے جس کی کوئی اپوزیشن نہ ہو اور وہ دس پندرہ بیس سال تک پاکستان کی development کو تحفظ دے اور مذکورہ شعبہ جات میں ایمرجینسی کا نفاذ کر کے ان پر توجہ مرکوز کرے۔

اگر ان سفارشات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو پاکستان نہ صرف موجودہ معاشی بحران سے نجات پا لے گا بلکہ ان شاء اللہ بہت جلد معاشی حوالے سے ایک ترقی یافتہ اور خودمختار ملک بن کر اقوام عالم میں ایک اہم ملک کے طور پر سامنے آئے گا۔

انسانی اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل

خُلق نفس کے اس ملکہ کا نام ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی بھی فعل نفس سے بغیر کسی تأمل کے صادر ہونے لگے

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ. (القلم،۶۸:۴)

’’اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متصف ہیں)۔‘‘

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کیا تھے؟ آپ نے جواب دیا:

کانخلقه القرآن. (مسند احمد، حدیث نمبر:۱۱۱۷۱)

’’آپ کے خلق وہی ہیں جو قرآن میں ہیں۔‘‘

یعنی آپ ﷺ کے ہر ہر خلق پر خلق قرآنی کا رنگ چڑھ گیا تھا اور ہر خلقِ رسول؛ خلقِ قرآنی اور خلقِ الٰہی سے متصف ہوگیا تھا۔ گویا ہر خلق قرآنی کا مصداق اتم آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس بن چکی تھی۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں اس امر کا اعلان فرمایا کہ آپ ﷺ خلقِ عظیم صرف رکھتے ہی نہیں بلکہ آپ خلق عظیم پر قائم ہیں۔۔۔ آپ ﷺ خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔۔۔ ہر خلقِ عظیم کا ظہور اور صدور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ہورہا ہے۔۔۔ آپ ﷺ خلقِ عظیم کا منبع و سرچشمہ اور مصدرِ اعظم ہیں۔۔۔ اور آپ ﷺ ہر انسانی خلق میں عروج و کمال پر پہنچ چکے ہیں۔ اسی لیے ساری انسانیت آپ ﷺ کے خلق و خصائل کی پیروکار ہے۔۔۔ آپ ﷺ کا اخلاق دوسروں کے لیے اسوہ و نمونہ ہے۔۔۔ آپ کی ذات دوسروں کے لیے باعثِ خیر اور باعثِ ہدایت بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی کامیابی و نجات آپ ﷺ کی سیرت اقدس میں ہے۔ اسی سیرت کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ. (الاحزاب،۳۳:۲۱)

’’فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔‘‘

اخلاقیات اور اخلاق کا مفہوم

اخلاقیات کو انگریزی زبان میں Ethics کہتے ہیں، جس کا مطلب ہے: ایک گروہ کے وہ قواعدِ حیات اور رسومِ زندگی جو اسے دوسرے گروہ سے ممتاز اور منفرد کرتے ہیں۔ اخلاقیات وہ علم ہے جو انسان پر بھلائی اور برائی کی حقیقت کو واضح کردے۔ جو انسان کو یہ بات سکھادے کہ دوسروں کے ساتھ کس طرح کا حسنِ معاملہ اختیار کیا جائے۔۔۔؟ اپنی زندگی کے اعمال میں کس چیز کو مطمعِ نظر اور اپنا مقصدِ حیات سمجھا جائے۔۔۔؟ اخلاقیات کا علم انسان کو مفید اور کارآمد باتوں کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور انسان کو زندگی میں فضائلِ اعمال اور رذائلِ اعمال کی خبر دیتے ہیں کہ انسان کس طرح خود کو خصائلِ اخلاق سے آراستہ کرے اور کس طرح خود کو رذائلِ اخلاق سے محفوظ کرے۔

☆ اخلاق؛ خلق کی جمع ہے، جس کا معنی، عادت، خصلت،

خوئے طبعی اور مروت ہے۔یعنی انسان میں اچھی عادات، عمدہ خصائل، خوش طبعی، ملنساری اور بشاشت کے وصف کا پایا جانا اخلاق ہے۔ اگر یہ علامات کسی بندے میں پائی جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اخلاقِ حسنہ کا مالک ہے۔

اخلاق؛ ہیئت راسخہ کا نام ہے

علم الاخلاق کے امام، علامہ جلال الدین دوانی خُلق کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

خلق؛ نفس کے اس ملکہ کا نام ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی بھی فعل نفس سے بغیر کسی تامل اور تفکر کے صادر ہونے لگے۔ خلق؛ انسان کے اندر ایک ملکہ اور ایک کیفیتِ راسخہ بن جاتا ہے جو انسان کے اندر قائم و دائم ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے انسان سے اچھے اعمال صادر ہونے لگتے ہیں۔

☆ امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں خُلق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خلق؛ انسانی نفس کی اس ہیئت راسخہ کا نام ہے جس کی وجہ سے اس سے تمام افعال بلا تکلف اور بلاغور وفکر صادر ہوں۔ اگر انسان کے اندر موجود یہ کیفیت مستقلاً ہو کہ اس سے ایسے افعال سرزد ہوں جو عقلاً اور شرعاً قابلِ تعریف ہوں تو ایسی ہیئت اور حالتِ نفس کو خلقِ حسن کہتے ہیں اور اگر اس سے ایسے اعمال صادر ہوں جو عقلاً اور شرعاً قابلِ مذمت ہوں تو انسان کی ایسی حالت کو خلقِ بد اور خلقِ سیئہ کہتے ہیں۔

ان تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کے خلق میں دو صفات پائی جانا ضروری ہیں:

۱۔خلق کو ہیئت راسخہ کی صفت حاصل ہو

۲۔خلق؛ انسان سے بلاتکلف اور بلا تامل صادر ہوں

۱۔ خلق کی پہلی صفت یہ ہے کہ اسے انسان میں ہیئت راسخہ اور کیفیتِ راسخہ حاصل ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً یا کسی خاص ضرورت کے پیش نظر دوسرے انسان پر مال خرچ کرتا ہے تو اس کو ہم سخی اور فیاض نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی طبیعت میں فیاضی اور سخاوت کا ملکہ اور ہیئتِ راسخہ موجود نہیں ہے۔ یہ کام اس نے اپنی مستقل عادت اور طبیعت کے ساتھ نہیں کیا۔ ایک ضرورت پڑی اور ایک اتفاقی معاملہ پیش آیا تو وہ یہ کام کر گزرا، اس لیے کہ خلق؛ انسان کی ایک مستقل حالت کا نام ہے۔ یہ انسان کے اندر کسی عارضی اور ہنگامی حالت کا نام نہیں ہے۔ مزید یہ کہ انسان کے اندر خلق کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا۔

۲۔ خلق کا دوسرا وصف یہ ہے کہ انسان کے اخلاق، طبیعت، وجود اور اس کی شخصیت سے اخلاق بغیر کسی تکلف و تصنع اور بغیر کسی غور وفکر کے صادر ہوئے ہوں۔ جو شخص اپنی طبیعت پر صبر کر کے دوسروں پر مال خرچ کرتا ہے تو اسے ہم فیاض نہیں کہہ سکتے یا حالتِ غصہ میں کسی کے مجبور کرنے پر یا خود مجبور ہوکر خود پر قابو پالیتا ہے تو ایسے شخص کو ہم بردبار نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دونوں کام اس نے بلاتکلف نہیں کیے بلکہ یہ مجبوراً کیے ہیں۔

کیا اخلاق میں تبدیلی ممکن ہے؟

اخلاق میں تبدیلی ممکن ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے امام غزالیؒ اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعے انسان کے اخلاق کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اچھی تعلیم و تربیت کے ذریعے انسان تو انسان، ایک جانور کو بھی سکھایا جاسکتا ہے اور اس کے اخلاق کو بدلا جاسکتا ہے۔ سرکش گھوڑے کو فرمانبردار بنایا جاسکتا ہے، کتے اور دوسرے جانوروں اور پرندوں کے اخلاق کو بھی بدلا جاسکتا ہے۔ انسانوں کو اپنے اخلاق کو بدلنے کے صلہ کے طور پر کیا انعام ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

ان من احبکم الی احسنکم اخلاقا.

”تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو تم میں اخلاق میں سب سے زیادہ اچھا ہے۔“ (مشکوۃ المصابیح، ۳:۴، ۵۰۷۴)

امام غزالی مزید فرماتے ہیں کہ اللہ نے دو طرح کی مخلوق پیدا کی ہے۔ ایک مخلوق وہ ہے جسے باری تعالیٰ نے کامل طور پر پیدا کیا ہے اور ان میں ہماری قوت و اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مثلاً: آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب اور انسان و

حیوان۔ اس مخلوق کے داخلی اور خارجی اعضاء اللہ نے جیسے پیدا کئے، یہ اسی طرح اپنی اپنی ہیئت پر ہیں۔

دوسری وہ مخلوق و موجودات ہیں جن میں کمال موجود ہے مگر وہ کمال ابھی ان میں ظاہر نہیں ہوا۔ جیسے کسی پھل کا بیج بذاتِ خود پھل نہیں ہوتا لیکن تربیت اور مسلسل توجہ سے اگر اسے نشوونما دی جائے تو وہی بیج کچھ عرصے بعد اسی پھل کے درخت کی صورت اختیار کرسکتا ہے اور وہی بیج کچھ وقت کے بعد ایک مکمل پھل بن سکتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک بیج کی مانند ہے۔ اگر صحیح معنوں میں والدین اور اساتذہ اسے تعلیم و تربیت دیں تو ایک عام انسان بھی ایک اعلیٰ انسان کا روپ دھار سکتا ہے۔۔۔ نامکمل سے مکمل ہوسکتا ہے۔۔۔ ادنیٰ سے اعلیٰ ہوسکتا ہے۔۔۔ اور ارذل سے افضل ہوسکتا ہے۔

اس افضلیت، اکملیت اور اشرفیت کے سفر کو طے کرنے کے لیے لازم ہے کہ انسان اپنی طلب میں کمال اور عروج پر ہو۔ کوئی بھی انسان اس وقت ہی عروج و کمال پر پہنچتا ہے جب وہ اپنی طلب میں اپنے کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ ہمیں اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے کے لیے اپنی طلب کو کمال پر پہنچانا ہے۔ یقیناً اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ ہمارے وجود میں اخلاق حسنہ کی بہار نظر آئے گی اور ہمارے وجود کی شناخت ایک خلیق، ایک خوش خلق، خوش خصال اور خوش طبع فرد کی ہوگی۔

حسن اخلاق کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

اخلاق حسنہ کے حصول کے لیے انسان کو سب سے پہلے اپنی شخصیت کے عیوب اور نقائص سے آگاہ ہونا ہے پھر اس شعبے کے ماہرین اور متخصصین کے ذریعے اس مرض کا علاج کرانا ہے۔ اگر انسان اپنی اصلاح چاہتا ہے تو اسے اپنے اندر مرض اور عیب کے ہونے کا احساس ہونا چاہیے۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمی اور نقص، عیب اور کمزوری موجود ہوتی ہے مگر عیب و نقص کا ہونا از خود اتنی بڑی بیماری نہیں، جتنا اس عیب اور نقص کا احساس نہ ہونا بڑی بیماری ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہر انسان اپنے عیوب پر خود نظر کرے یا اس کا کوئی مربی و محسن اسے اس کے عیوب سے آگاہ کرے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اس شخص کا بھلا کرے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے۔

اپنے عیب سننا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ اگر اللہ کسی کو یہ ظرف دے دے تو وہ اپنی اصلاح کرلیتا ہے۔ ہمیں اپنے عیب اپنے دشمنوں سے پتہ چلتے ہیں، اس لیے مخالف و دشمن کا وجود بھی ہمیں کسی نہ کسی طرح کچھ نہ کچھ نفع دے رہا ہوتا ہے۔ دشمن تو دشمنی میں ہمارے عیب بیان کرتا ہے مگر اس کا ہمارے عیب کی نشاندہی کرنا ہماری شخصیت کو کامل بنا سکتا ہے، اگر ہم اس کے ذریعے اپنے عیوب جان کر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

☆ امام غزالی نے اخلاق حسنہ کے حصول کے کچھ طریقوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے، جنھیں ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔ کچھ لوگ پیدائشی طور پر خوش خلق ہوتے ہیں اور ان میں شہوت اور غضب کا غلبہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ کوئی رسمی تعلیمی مراحل عبور کیے بغیر عالم اور مؤدب ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے اخلاق حسنہ کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی شخص فیاض بننا چاہتا ہے تو اسے فیاض و سخی لوگوں کی طرح بے تکلف مال خرچ کرنا چاہیے۔ اس طرح رفتہ رفتہ فیاضی اس کی طبیعت کا حصہ بن جائے گی ۔۔۔ ایک مغرور و متکبر شخص عاجزی و انکساری اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایک مدت تک خاکساری اور انکساری والی زندگی اختیار کرنی چاہیے۔ اس طرح رفتہ رفتہ خاکساری اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے گی اور اس سے ان صفات کا صدور آسانی کے ساتھ ہوگا۔

۳۔ ماہرین اخلاق نے اخلاق کو اچھا بنانے کے لیے ایک علاج یہ بھی بتایا ہے کہ جس طرح جسمانی امراض کا علاج ڈاکٹرز اور اطباء اس مرض کے متضاد سے کرتے ہیں، جسے ہم Antibiotic Medicine کہتے ہیں۔ اگر مرض کا سبب حرارت ہے تو اس کا علاج برودت سے کیا جاتا ہے اور اگر مرض کا سبب برودت ہے تو اس کا علاج حرارت سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اخلاقی امراض کا علاج بھی اس کے متضاد سے کیا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان میں بخل کا مرض ہے تو اس کا علاج فیاضی و

سخاوت کے عمل کو قصداً اختیار کرنے سے کیا جائے گا اور اگر کسی انسان میں غرور و تکبر پایا جاتا ہے تو اس کا علاج قصداً اور ارادۃ تواضع و انکساری اور عاجزی کو اختیار کرنے سے کیا جائے گا۔

۴۔ اخلاق سنوارنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کے اخلاق اور عادات کو اپنے عیوب جاننے کا آئینہ بنائیں۔ اس لیے کہ لوگوں کے اخلاق و خصائل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ اس بنا پر جو عیب دوسروں میں دکھائی دیں، ان کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ کہیں ہمارے اندر بھی تو ایسے عیوب و نقائص نہیں ہیں۔ اس انداز سے بھی انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کرسکتا ہے۔

۵۔ اخلاق کو درست کرنے کے لیے حکماء اور ائمہ اخلاق یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ نیک لوگوں کے ساتھ دوستی و میل جول رکھا جائے۔ اخیار کی سنگت اختیار کی جائے اور اشرار کی صحبت سے بچا جائے۔ اپنی ساری صلاحیتوں کو افعالِ حسنہ اور اقوالِ حسنہ میں استعمال کیا جائے۔ اپنی قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ پر کنٹرول رکھا جائے۔ اس کو بلاوجہ بے قابو نہ ہونے دیا جائے۔ بات بات پر غصہ نہ کیا جائے، خواہ مخواہ خود کو برانگیختہ نہ کیا جائے۔ کوئی کام اور کوئی کلام خلافِ عقل نہ کیا جائے۔ اگر نفس غلطی کرے تو انسان خود کو معیوب ٹھہرائے۔ ارادتاً گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو چھوڑا جائے۔ اپنے عیوب پر جب انسان مطلع ہوجائے تو پھر ان عیوب سے نفس کو پاک کرنے کے لیے تزکیہ نفس کا عمل اختیار کرے۔ اپنی زندگی میں اچھے عمل کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا رہے اور جدوجہد کرنے میں سستی و غفلت کا اظہار نہ کرے۔

انسان کے اخلاق کا ارتقائی پہلو

اگر انسان کے خلق میں درج ذیل چار اوصاف پائے جائیں تو انسان اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے:

۱۔حکمت ۲۔شجاعت ۳۔عفت ۴۔عدل

۱۔ جب انسان کے اندر موجود قوتِ عاقلہ اعتدال پر آجائے تو اس سے حکمت وجود میں آتی ہے۔ جب انسان اپنے اندر خلق حکمت کو پیدا کرتا ہے تو اس ضمن میں اس کے اندر ذکاء اور ذہانت و فطانت کا وصف ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں سرعت فہم کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذہن کو صفائی و طہارت ملتی ہے۔علم کا حاصل کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ اس کی عقل میں خوبی و کمال آتا ہے اور اس کی یاداشت مضبوط اور محفوظ ہوجاتی ہے۔

۲۔ اگر انسان کے اندر موجود قوتِ غضبیہ اعتدال پر آجائے تو اس سے انسان کے خلق کو وصفِ شجاعت ملتا ہے اور انسان شجاع و بہادر ہوجاتا ہے۔ جب انسان میں شجاعت کا خلق آتا ہے تو اس میں علوِ ہمت کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں تحمل و بردباری کی خوبی آتی ہے اور حمیت و غیرت کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ اگر انسان کے اندر موجود قوتِ شہوانیہ یا قوتِ بہیمیہ اعتدال پر آجائے تو اس سے انسان کے خلق کو پاک دامنی اور عفت و عصمت کا خلق اور وصف میسر آتا ہے۔ جب انسان میں عفت کا خلق پیدا ہوتا ہے تو اس میں حیاء کی صفت ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں صبر ظاہر ہوتا ہے، وقار و متانت کے اوصاف نمایاں ہوتے ہیں اور ورع اور تقویٰ نمو پاتا ہے۔

۴۔ مذکورہ تینوں اوصاف اگر ہمیشہ اعتدال پر رہیں تو اس کے بعد انسان میں خلقِ عدل پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں جو لوگ قاضی اور جسٹس کے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے خلق کو ان تینوں اصولوں سے مزین کریں تاکہ ان کے اندر خلقِ عدل ظاہر ہو۔ جب انسان میں خلقِ عدل ظاہر ہوتا ہے تو اس میں صداقت،الفت، شفقت، صلہ رحمی، تسلیم و توکل،اور عبادتِ فاضلہ کی طرف رجوع نظر آتا ہے۔ یہ انسان خلقِ عدل کی بنا پر اپنی ذمہ داریوں، اپنی قوم و ملت اور اپنے ضمیر و دل کے ساتھ وفا کرتا ہے۔خلقِ عدل اور وصفِ عدل کے شعور اور ظہور کے ذریعے انسان معاشرے میں وہ عزت پاتا ہے جو ایک مثالِ لازوال بن جاتی ہے۔

باری تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں ان اوصاف و کمالات اور اخلاق حسنہ کا حامل بنادے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ ❁❁❁❁❁

اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تقاضائے محبت

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اس کثرت کے ساتھ تذکرہ کیا جائے کہ یہ موضوع وقت کا غالب موضوع بن کر ہر نوع کی ابحاث پر چھا جائے

محمد ذکوان ندوی

گزشتہ سے پیوستہ

قرآن مجید میں اِس بات کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان دعوت و اقامتِ دین کی راہ میں رسول اللہ ﷺ کے دست وبازو بن کر نہ صرف پوری طرح آپ کا ساتھ دیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے وہ آپ ﷺ کی بھرپور تعظیم و توقیر کا طریقہ اختیار کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا.

”بے شک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لیے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو۔“ (الفتح ۴۸: ۸-۹)

رسول اللہ ﷺ سے محبت کا یہ ایک لازمی تقاضا ہے کہ

حبُّ النبيِ ﷺ يُوجِبُ السعيَ إلى إحياءِ سنّته، والحِفاظَ علٰى دعوته.

آدمی آپ ﷺ کی سیرت واخلاق، آپ کی لائی ہوئی دعوت کے ابلاغ اور احیاے سنت کے لیے بھرپور کوشش کرتے ہوئے آپ ﷺ کی زندگی کو اپنی زندگی اور آپ ﷺ کی ایمانی اور اخلاقی دعوت کو اپنا مشن بنائے۔

آپ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

مَن أحيا سنّتي فقد أحبّني، ومَن أحبّني، كان معي في الجنة‘ (سنن الترمذی: ۲۶۰۲)

جس نے میری سنت اور میری تعلیمات کو زندہ کیا، اُس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرے گا، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حافظ ابن قیم (وفات: ۷۵۱ہجری) علم دین کی دعوت و اشاعت کے متعلق فرماتے ہیں:

ولو لم يكن في تبليغ العلم عنه إلا حصولُ ما يحبُّه ﷺ، لكفٰى به فضلاً. ومعلومٌ أنه لا شيءَ أحبُّ إلٰى رسولِ اللّٰه ﷺ من إيصاله الهُدىٰ إلى جميع الأمة، فالمبلّغ عنه مسارعٌ في حصولِ محبته، فهو أقربُ الناسِ منه وأحبّهم إليه، وهو نائبه وخليفته في أمته، وكفىٰ به فضلاً وشرفاً للعلم وأهله‘ (مفتاح دار السعادة: ۲۷۹).

”اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ملے ہوئے علم کی اشاعت سے آپ ﷺ کے پسندیدہ عمل پر کاربند ہونے کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہوتا، جب بھی یہ اُس کی اہمیت کے لیے کافی تھا۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اِس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی کہ اللہ کی ہدایت تمام امتِ

☆ ایڈیٹر ماہنامہ اشراق ہند، ممبئ

دعوت و اجابت تک پہنچ جائے۔ لہٰذا پیغمبرانہ علم کو پہنچانے والا آدمی عملاً اُس کی محبت کے حصول میں کوشاں ہے۔ چنانچہ ایسا شخص سب سے زیادہ قریب اور محبوب تر ہوگا۔ وہ گویا امت میں آپ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ لہٰذا یہی ایک بات علمِ نبوت اور اُس کے حامل افراد کے فضل و شرف کے لیے کافی ہے‘‘۔

صحابہ و تابعین کا حضور ﷺ سے جذباتی و حُبّی تعلق

انسان؛ عقلی اور جذباتی وجود(emotional being)دونوں کا مجموعہ ہے۔ یہ جذبہ اگر اپنے فطری دائرے میں ہو تو وہ نہ صرف ایک مطلوب چیز ہے، بلکہ وہ انسان کے لیے اُس کے خالق کی طرف سے استثنائی قسم کے ایک عظیم عطیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کا یہی جذباتی وجود ہے جس سے وہ رحمی اور خاندانی رشتے وجود میں آتے ہیں جن کے بغیر دنیا کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ جذبات کا یہی وہ قیمتی بندھن ہے جس نے انسان کو حیوان سے بالکل ممتاز کردیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر ادب و آرٹ اور رنگ و جمال کا ایک فردوسِ حسن و معنی یہاں آباد دکھائی دیتا ہے۔ صحابہ و تابعین کے واقعات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ آپ ﷺ سے قلبی اور جذباتی تعلق ایمان بالرسول کے بالکل ایک فطری اور بدیہی تقاضے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس سلسلے میں چند ارشادات و واقعات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

’جاءَ رجلٌ إلى النبيِّ ﷺ فقالَ: يا رسولَ اللّٰهِ، إنَّكَ لأحَبُّ إليَّ من نفسي وإنَّكَ لأحبُّ إليَّ من ولدي. وإنِّي لأكونُ في البيتِ فأذكُرُكَ، فما أصبِرُ حتَّى آتي فأنظُرَ إليكَ. وإذا ذكرتُ موتي وموتَكَ عرفتُ أنَّكَ إذا دخلتَ الجنَّةَ، رفعتَ معَ النَّبيِّينَ وأنِّي إذا دخلتُ الجنَّةَ، خشيتُ أن لا أراكَ. فلم يردَّ عليهِ النَّبيُّ ﷺ شيئًا، حتَّى نزلَ جبريلُ بهذِهِ الآيةِ: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الخ‘ (المعجم الكبير، الطبراني: ١٢٥٥٩).

’’اصحابِ رسول ﷺ میں سے ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، آپ مجھے میری جان اور میرے اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ ﷺ مجھے یاد آتے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس آتا اور آپ ﷺ کا دیدار کرلیتا ہوں لیکن جب مجھے اپنی موت اور آپ ﷺ کے وصال کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ وہاں جنت میں آپ ﷺ انبیا کے ساتھ ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں میں آپ ﷺ کا دیدار نہ کرسکوں گا۔ نبی ﷺ نے اُس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا، حتی کہ جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا. (النساء۴: ۶۹)۔

۲۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

’’ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

وماذا أعددتَ لها. قالَ: لا شيءَ، إلَّا أنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ ورسولَه ﷺ. فقالَ: أنتَ مع مَن أحببتَ.

تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: کچھ بھی نہیں، سوا اِس کے کہ میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمھارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا جن سے تمھیں محبت ہے۔

سیدنا انس کہتے ہیں کہ ہمیں کبھی اتنی خوشی کسی اور بات سے نہیں ہوئی، جتنی آپ کا یہ ارشاد سن کر ہوئی کہ تمھارا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا جن سے تمھیں محبت ہے۔ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ

فأنا أحِبُّ النبي ﷺ وأبا بكرٍ، وعُمَرَ، وأرجو أنْ أكونَ معهم بحُبِّي إيَّاهُم، وإنْ لم أعمَلْ بمثلِ أعمالِهِم‘ (صحیح البخاری: ۳۶۸۸)۔

میں بھی رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہوں اور اُن سے اپنی اِس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میرا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا، اگرچہ میں اُن جیسے عمل نہ کرسکا‘‘۔

ایک دوسری روایت میں ارشاد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اِس سوال پر کہ تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ سائل نے عرض کیا:

ما أعْدَدْتُ لَهَا مِن كَثِيرِ صَلاةٍ ولَا صَوْمٍ ولَا صَدَقَةٍ، ولَكِنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ ورَسولَهُ، قالَ: أنْتَ مع مَن أحْبَبْتَ.

(صحیح البخاری: ۶۱۷۱۔ مسلم: ۲۶۳۹)

میرے پاس اِس کے لیے بہت ساری نمازیں اور روزے اور بہت زیادہ صدقہ وخیرات تو نہیں ہے، البتہ میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اُس کے ساتھ ہو جس سے تم محبت رکھتے ہو:

۳۔ غزوۂ احد (۳ /ہجری) کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ بنو دینار کی ایک خاتون (سُمَیراء بنت قیس) کے اہلِ خانہ میں سے تین افراد (باپ، بھائی اور شوہر) اِس غزوہ میں شہید ہوگئے۔ اُس کو جب یہ خبر دی گئی تو انھوں نے پوچھا:

فما فعل رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم؟

یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟

اُنھیں بتایا گیا کہ آپ ﷺ بخیر وعافیت ہیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچیں اور آپ ﷺ کو دیکھ کر عرض کیا:

'كُلُّ مصيبةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ، يارسولَ اللّٰه'

آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے، اے اللہ کے رسول۔

(السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام: ۵۱/۳)

۴۔ محمد بن سیرین تابعی (وفات: ۱۱۰ ہجری) فرماتے ہیں کہ جب میں نے (مشہور تابعی) عبیدہ بن عمرو سلمانی (وفات: ۷۲ ہجری) کو بتایا کہ ہمارے پاس نبی ﷺ کے کچھ موئے مبارک موجود ہیں جنھیں ہم نے سیدنا انس، یا اُن کے گھر والوں سے حاصل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

لَأن تَكُونَ عِندِي شَعْرَةٌ مِنه أحَبُّ إلَيّ مِنَ الدنيَا وَمَا فِيهَا' (صحیح البخاری: ۱۶۸۔ مسند احمد: ۱۳۷۱۰)

''اگر اِن میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہوتا تو وہ مجھے دنیا کی ساری نعمتوں سے کہیں زیادہ محبوب ہوتا۔''

امام ذہبی (وفات: ۷۴۸ ہجری) فرماتے ہیں کہ

هذا القولُ مِن عبيدة هو معيارُ كمالِ الحُبِّ، وهو أن يُؤثر شعرة نبوية علٰى كلّ ذهبٍ وفضّةٍ بأيدي النّاس.

(سير أعلام النبلاء: ۴۲/۴)

سیدنا عبیدہ کا یہ قول کمالِ محبت کا ایک عجیب نمونہ ہے کہ نبی ﷺ کے ایک موئے مبارک کو ساری دنیا میں موجود سونے چاندی کے خزانوں پر ترجیح دی جائے۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ سے یہی محبت اور آپ ﷺ سے یہی جذباتی تعلق ہے جسے بعد کے اہلِ ایمان کی نسبت سے خود رسالت مآب ﷺ نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

مِنْ أشدِّ أمتي لي حُبّاً، ناسٌ يكونون بعدي، يود أحدُهم لو رآني بأهله وماله' (صحیح مسلم: ۲۸۳۲)

''میری امت میں مجھ سے بے حد شدید محبت والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ اُن میں سے ایک شخص کی بہترین آرزو یہ ہوگی کہ کاش، وہ اپنا تمام مال و دولت اور اپنے اہل وعیال سب کو قربان کرکے میرا دیدار کر سکے۔''

صحابہ و تابعین کے مذکورہ واقعات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مومن کوئی بے روح مشینی مخلوق نہیں کہ وہ جامد انداز میں ایک عمل کو دہراتا رہے۔ مومن ایک زندہ انسان ہوتا ہے اور ایک ایسا انسان کبھی محبت و جذبات سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یہ تابعین اور اصحاب بلاشبہ اتباعِ رسول ﷺ کے راستے پر گام زن تھے، مگر اِسی کے ساتھ وہ آپ ﷺ کی محبت میں سرشار، آپ ﷺ کی سلامتی کے لیے بے چین، نیز آپ ﷺ اور آپ ﷺ سے منسوب ہر چیز کے لیے سراپا اشتیاق رہا کرتے تھے۔

خدا کا پیغمبر: عقیدت کا عجیب مظہر

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا ایک عجیب پہلو آپ ﷺ سے محبت اور عقیدت ہے۔ چنانچہ شاہ و گدا، امیر وفقیر، عاصی و پارسا، غرض ہر بندۂ مومن کے دل میں آپ ﷺ کی محبت کا جذبہ موجود ہوا کرتا ہے۔ اگر صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعے اِس چراغِ محبت کی لو تیز تر کی جاسکے تو آپ ﷺ سے یہ فطری اور قلبی تعلق سرمایۂ ملت بھی ہوگا اور سرمایۂ ملت کا نگہبان

بھی۔اِس سلسلے میں دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ شاہِ بنگال سلطان ناصر الدین محمود (وفات: ۱۲۲۹ء) کے ایک خاص مصاحب کا نام ''محمد'' تھا۔ بادشاہ اُس کو اِسی نام سے پکارتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے خلافِ معمول اُسے ''تاج الدین'' کہہ کر آواز دی۔ وہ تعمیل حکم میں حاضر ہوا، لیکن گھر جانے کے بعد تین دن تک واپس نہیں آیا۔ بادشاہ نے بلوایااور تین دن تک غائب رہنے کی وجہ دریافت کی۔اُس نے کہا: آپ ہمیشہ مجھے ''محمد'' کے نام سے پکارا کرتے ہیں، لیکن اُس دن آپ نے ''تاج الدین'' کہہ کر پکارا۔ میں سمجھا کہ آپ کے دل میں میرے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، اِس لیے ندامت کے باعث حاضر خدمت نہ ہوسکا۔

ناصرالدین نے کہا: واللہ! میرے دل میں تمھارے متعلق کسی قسم کی کوئی خلش نہیں۔ ''تاج الدین'' کے نام سے تو میں نے اِس لیے پکارا تھا کہ اُس وقت میرا وضو نہیں تھا، اور مجھے ''محمد'' جیسا نامِ نامی بغیر وضو کے لینا مناسب معلوم نہیں ہوا۔ (تاریخ فرشتہ:۱/ ۲۷۶)

۲۔ اختر شیرانی (وفات: ۱۹۴۸ء) اردو کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ لاہور کے ''عرب ہوٹل'' میں ایک بار کمیونسٹ ذہن کے کچھ شاطر نوجوانوں نے اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ اُس وقت تک وہ دو بوتلیں پی چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے۔ بدن پر رعشہ طاری تھا، حتیٰ کہ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ ''انا'' کا یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو گردانتے نہ تھے۔ شاعرتو وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ہم عصر شعرا میں جو واقعی شاعر تھا، اُسے بھی اپنے سے کم تر خیال کرتے تھے۔ کمیونسٹ نوجوانوں نے فیض کے بارے میں سوال کیا تو طرح دے گئے۔ جوش کے متعلق پوچھا تو کہا: وہ ناظم ہے۔ علی سردار جعفری کا نام لیا تو مسکرائے۔ فراق کا ذکر چھیڑا تو ہوں ہاں کرکے چپ ہوگئے۔ ساحر لدھیانوی کی بات کی، جو سامنے بیٹھے تھے، فرمایا: مشق کرنے دو۔ ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا: نام سنا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے متعلق پوچھا تو فرمایا: میرا شاگرد ہے۔

نوجوانوں نے جب دیکھا کہ وہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں، تو بحث کا رخ پھیر دیا۔ پوچھا: فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، نشے میں بدمست تھے، زبان پر قابو نہیں تھا، لیکن چونک کر فرمایا: کیا بکتے ہو؟ ادب و انشایا شعر و شاعری کی بات کرو۔ کسی نے فوراً افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا۔ پوچھا: اُن کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا، مگر اُس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے۔ فرمایا: اجی، یہ پوچھو کہ ہم کون ہیں؟ یہ ارسطو، افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے۔

مدہوشی کی اِس حالت سے فائدہ اٹھا کر ایک نوجوان نے سوال کیا: حضرت محمد ﷺ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اللہ، اللہ، ایک شرابی، مگر جیسے کوئی برق تڑپی ہو۔ بلّور کا گلاس اٹھایا اور سر پر مارتے ہوئے فرمایا: بدبخت، ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے، آخر ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تمام جسم کانپ رہا تھا۔ اچانک زار و قطار رونا شروع کردیا۔ فرمایا: ایسی حالت میں تو نے یہ نامِ پاک کیوں لیا، تجھے یہ جرأت کیسے ہوئی!؟ اِس سوال پر توبہ کر۔ میں تیرا خبثِ باطن سمجھتا ہوں۔ خود قہر و غضب کی تصویر ہوگئے۔ نوجوان نے بات کو موڑنا چاہا، مگر اختر کہاں سنتے تھے؟ اُسے اٹھوا دیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔ رات بھر روتے رہے۔ کہتے تھے کہ یہ لوگ اتنے نڈر ہوگئے ہیں کہ اب مجھ سے آخری سہارا بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں گنہگار ضرور ہوں، لیکن یہ لوگ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں (مجھے ہے حکم اذاں، عتیق الرحمٰن سنبھلی: صفحہ ۱۷-۱۸)

بظاہر اپنی تمام بشری کمزوریوں کے باوجود ایک مومن کے دل میں حبِ رسول ﷺ کی ایسی چنگاری موجود ہوتی ہے جو ہم جیسے لوگوں کے لیے یقیناً قابل رشک ہے اور جسے دیکھ کر اکثر یہ خیال آتا ہے کہ: ؎ کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے!

تاہم بعد کے زمانے میں ہمارے درمیان سیکولر افکار، دین کی تکنیکی تعبیرات اور بعض جامد قسم کی غلو آمیز 'مذہبی' تحریکات برپا ہوئیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقلی تفکر، علمی ذوق، شعوری بیداری اور ردِ بدعات جیسے عمل کے ساتھ پیغمبر اور اصحابِ پیغمبر کی تاریخ کا بھی ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا، جو بلاشبہ اہلِ ایمان کے لیے ایک قیمتی اور بے بدل اثاثۂ فیضان

(source of inspiration) کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ اِن تحریکات کے نتیجے میں عملاً یہ ہوا کہ آپ ﷺ سے وہ قلبی وابستگی اور جذباتی تعلق ختم ہوگیا جو اِس سے قبل ہر دور میں اہلِ ایمان کا شعار رہا ہے۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ اِن قہرمانی اصلاحات کے باوجود اِس محبت اور قلبی تعلق کی چنگاری ہر سچے مومن کے دل میں اب بھی موجود ہے۔

اگر اِس غلو آمیز 'مذہبیت' اور مسلکی اور گروہی تعصّبات سے بلند ہوکر فطری انداز سے لوگوں کی تربیت کی جائے تو بہت سے دلوں میں یہ چنگاری اب بھی بھڑک کر ایک شعلۂ ایمانی بننے کے لیے تیار ہے، ایسا شعلہ جو مادّیت و الحاد، غفلت وشہوات اور دورِ جدید کے عقلیت پرستانہ نظریات کے لیے ایک آسمانی بجلی بن کر شاخِ نازک پر قائم اِس نشیمن کو ہمیشہ کے لیے تہ وبالا کرسکتا ہے۔

ممکن ہے مجھ جیسا ایک ظاہر پرست آدمی اختر شیرانی کے مذکورہ واقعے کو ایک ''غیر سنجیدہ مثال'' قرار دے، مگر اِس قسم کے باادب رند اِن بلانوش کو دیکھ کر راقم عہدِ رسالت کا وہ واقعہ یاد کر رہا ہے جسے امام بخاری نے کتاب الحدود میں: **بَابُ مَا یُکْرہُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الخَمْرِ وإنّه لیسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلّة** (باب: شراب پینے والا ملتِ اسلام سے نکل نہیں جاتا، نہ اُس پر لعنت کرنی چاہیے) کے تحت نقل فرمایا ہے:

عن عمر بن الخطاب:أنّ رجلاً علی عهد النبي ﷺ، کان اسمه عبد الله، وکان یلقّب 'حمارًا'، وکان یُضحک رسولَ الله ﷺ، وکان النبي ﷺ قد جلده في الشراب، فأتي به یوماً، فأمر به فجلد. فقال رجلٌ من القوم: اللّهمّ الْعنه، ما أکثر ما یؤتی به، فقال النبي ﷺ:لا تلعنوه، فوالله، ما علمتُ إنه یحبّ اللهَ ورسولَه. (صحیح البخاری: ۶۷۸۰)

''حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک صحابی، جن کا نام عبداللہ تھا، وہ 'حمار' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ وہ نبی ﷺ کو ہنسایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایک بار اُنھیں شراب پینے پر بطورِ حد کوڑے بھی لگوائے تھے۔ ایک دن وہ آپ ﷺ کے پاس نشے کی حالت میں لائے گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر دوبارہ اُنھیں کوڑے لگائے گئے۔ اِس موقع پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے اُن پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا: اللہ اِس پر لعنت کرے، کتنی بار اِسے نشے کی حالت میں لایا جا چکا ہے! نبی ﷺ نے فرمایا: اِس پر لعنت نہ کرو۔ واللہ، میرے علم کے مطابق، یہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا شخص ہے''۔

یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ شاہِ بنگال کا واقعہ کوئی اجنبی واقعہ نہیں۔ واقعات بتاتے ہیں کہ نبی ﷺ کی تعظیم، آپ ﷺ اور آپ ﷺ سے منسوب ہر چیز کا احترام ہمیشہ اہل ایمان کا شیوہ رہا ہے۔

چنانچہ حضرت مصعب بن عبد اللہ ؒ کہتے ہیں کہ

کان مالک بن أنس إذا حدّث عن رسول الله ﷺ توضّأ وتهیّأ. (مسند الموطأ، الجوهري، صفحه ۱۰۳)

امام مالکؒ ابن انسؒ جب کسی قولِ رسول ﷺ کو نقل فرماتے، تو باقاعدہ تیاری اور وضو کا اہتمام فرماتے۔

خلاصۂ کلام

رسول اللہ ﷺ سے محبت ایمان بالرسول کا وہ بدیہی تقاضا ہے جو آپ ﷺ کی نسبت سے ایک سچے مومن کے اندر فطری طور پر موج زن ہوا کرتا ہے۔ میڈیا سونامی کے اِس دور میں، جب کہ عام طور پر 'بغیر علمٍ ولا ھدیً ولا کتابٍ منیر' (الحج ۲۲:۸) کے مصداق، بہت سے 'مذہبی' اور 'غیر مذہبی' فلسفہ و افکار کی اشاعت دن رات جاری ہے۔ اِس صورتِ حال میں ضرورت ہے کہ ہر قسم کی گروہ بندی اور مسلک پرستی سے بلند ہوکر رسول اللہ ﷺ سے قلبی تعلق قائم ہو اور ہر جگہ آپ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا اِس کثرت کے ساتھ تذکرہ کیا جائے کہ وہی وقت کا غالب موضوع بن کر تمام فلسفہ ہائے حیات پر چھا جائے۔

ایمان و محبت کی اِس عظیم دعوتی اور ربانی مہم کو عمومی بنانے کے لیے ضروری ہوگا کہ ہر جگہ تذکیر بالقرآن، سیرتِ نبوی اور اُسوۂ صحابہ کے سنجیدہ دعوتی اور تربیتی حلقے قائم کیے جائیں۔ آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کی سیرت سے بڑھ کر کوئی 'فکر وفلسفہ' اور آئڈیالوجی (ideology) نہیں جو انسانیت کے لیے حیات بخش ثابت ہو۔ ❁❁❁❁❁

منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ورلڈ ریلیجنز کانفرنس/ کانووکیشن

نئی نسل علم و تحقیق کے ساتھ پختہ تعلق قائم کرے: شیخ الاسلام

منہاج یونیورسٹی لاہور نے تعلیم اور تربیت کو یکجا کر دیا: ڈاکٹر عارف علوی

ورلڈ ریلیجنز کانفرنس میں بین الاقوامی سکالرز کی شرکت، مقالہ جات پیش کئے

رپورٹ: نوراللہ صدیقی

منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام 29 اور 30 اکتوبر کو دو روزہ ’’ورلڈ ریلیجنز انٹرنیشنل کانفرنس‘‘ منعقد ہوئی۔ ہر سال کی طرح امسال بھی آسٹریلیا، سکاٹ لینڈ، سری لنکا، انڈیا، برطانیہ، امریکہ، یورپ سے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تدریسی و تحقیقی فرائض انجام دینے والے سکالرز پاکستان آئے اور انہوں نے بین المذاہب رواداری اور اس کی ضرورت و اہمیت پر ریسرچ پیپر پیش کئے۔

اس کانفرنس میں ریسرچ پیپرز پیش کرنے والوں میں اٹلی کے سکالرز امام یحییٰ سرجیو یاہی، سری لنکا سے پروفیسر میر سوات ویملگا ناتھیرو، انڈیا سے ڈاکٹر سردار گیانی ہرپریت سنگھ، آسٹریلیا سے پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ سعید اور ڈاکٹر جان، آسٹریلیا ہی سے مسز ایلزبتھ، برطانیہ سے ریونڈ فلپ ڈنکن پیٹرز، ریونڈ روبن قمر، آرچ بشپ سبسٹین فرانسس، سردار درشن سنگھ شامل ہیں۔ اِن سکالرز نے اپنے ریسرچ پیپرز میں علمی مکالمہ کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

☆ کانفرنس کے روح رواں منہاج یونیورسٹی لاہور کے بورڈ آف گورنرز کے ڈپٹی چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری تھے۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نوجوان معاشی ماہر ہیں۔ وہ منہاج یونیورسٹی کے ڈپٹی چیئرمین کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ میلبورن یونیورسٹی آسٹریلیا کے ریسرچ فیلو بھی ہیں۔ اس کے علاوہ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر بھی ہیں۔ وہ بیک وقت ماہر تعلیم بھی ہیں، ماہر معیشت بھی ہیں اور منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے تعلیمی، تربیتی، فلاحی، سرگرمیوں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری میلبورن یونیورسٹی آسٹریلیا سے معیشت پر پی ایچ ڈی ہیں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے منہاج یونیورسٹی لاہور کو بین المذاہب رواداری کے فروغ، تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کا مرکز بنا دیا ہے اور منہاج یونیورسٹی لاہور، پاکستان کا وہ ممتاز اعلیٰ تعلیمی ادارہ ہے جہاں تقابلِ ادیان کو ایک ڈگری پروگرام کے طور پر پڑھایا جارہا ہے۔ سکول آف پیس منہاج یونیورسٹی لاہور کو دیگر سے ممتاز کرتا ہے۔ یہاں سکھ، ہندو، عیسائی مذاہب کے طلبہ بھی زیور علم سے آراستہ ہورہے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ منہاج یونیورسٹی لاہور میں ہندو طلبہ کو ہندوازم، ہندو اساتذہ پڑھاتے ہیں، سکھ ازم، سکھ اساتذہ اور مسیحی طلبہ کو مسیحی مذہب، مسیحی اساتذہ پڑھاتے ہیں اور تمام مذاہب کے طلبہ ایک چھت تلے علم حاصل کررہے ہیں۔ منہاج یونیورسٹی کے اس ڈگری پروگرام کا نیوکلیس اور مرکز و محور فروغِ امن، تہذیب و شائستگی کا پرچار اور علمی مکالمہ کے ذریعے ایک باشعور اور ذمہ دار نسل پروان چڑھانا ہے۔

یہاں تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ذکر بھی ضروری ہے کہ پاکستان کے اندر بین المذاہب مکالمہ اور تہذیبوں کے مابین تصادم کو روکنے کے لئے انہوں نے قومی و بین الاقوامی سطح پر بہت کام کیا۔ انہوں نے دنیا بھر کا سفر کیا اور اسلام کی پُرامن تعلیمات کو قابلِ قبول طرز تکلم اور عقلی دلیل و براہین کے ساتھ دیگر مذاہب کے سامنے پیش کیا اور مکالمہ کی بنیاد رکھی۔ منہاج القرآن کی علم و امن پر مبنی یہی فکر منہاج یونیورسٹی لاہور کے تعلیمی ماحول میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

☆ اس کانفرنس میں پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا مقالہ بین الاقوامی سکالرز کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں کہا کہ: اسلام انصاف، اعتدال، انسانی جان کی حرمت و وقار کا محافظ اور بین المذاہب رواداری کی تعلیمات کا محرک ہے۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآنِ مجید کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ انتہا پسند اسلام کی جو تصویر پیش کرتے ہیں اُن کا پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرت اور تعلیمات سے تعلق نہیں ہے۔ پاکستان کے عوام امن سے محبت کرنے والے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی جو تصویر پیش کی جاتی ہے، پاکستان ویسا نہیں ہے۔ ان کے اس دعوے کی تصدیق اور توثیق مہمان سکالرز نے بھی کی۔ مہمانوں کا یہ اعتراف تھا کہ پاکستان ایک خوبصورت ملک ہے اور اس کے عوام علم اور امن سے محبت کرنے والے ہیں۔

☆ اس کانفرنس کی سب سے زیادہ خوبصورت بات اس کانفرنس میں شریک منہاج یونیورسٹی لاہور سمیت دیگر یونیورسٹیز کے طلبہ و طالبات کی طرف سے امن کے موضوع پر اور بین المذاہب رواداری کے بارے میں بین الاقوامی سکالرز کے ساتھ کھل کر سوال و جواب کرنا ہے۔ طلبہ و طالبات نے انتہائی شائستگی کے ساتھ اپنا نکتہ نظر بین الاقوامی سکالرز کے سامنے رکھا اور پھر ان کے علمی جوابات سے مستفید ہوئے۔ شعور کی آبیاری کا بہترین طریقہ اہلِ علم کی صحبت میں بیٹھنا اور ادب و شائستگی کے ساتھ انہیں سننا ہے۔ آج ہمارا سب سے بڑا انسانی المیہ ایک دوسرے سے بات نہ کرنا اور ایک دوسرے کو نہ سننا ہے، یہیں سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں جو انتہا پسندی اور متشدد رویوں کے راستے سے ہوتی ہوئیں دہشت گردی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد جو سب سے پہلا کام کیا وہ بین المذاہب مکالمہ کی بنیاد رکھنا تھا۔ آپ ﷺ نے میثاقِ مدینہ کی صورت میں مکالمہ کی برکات سے دنیا کو بہرہ مند کیا۔ آپ ﷺ نے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے قبائل کو سنا۔ ان کی مذہبی ثقافتی روایات کو تحریری شکل میں تحفظ دیا اور پھر مدینہ کی سرزمین پر سیاسی اعتبار سے ایک اُمتِ واحدہ کی داغ بیل ڈالی۔ کرۂ ارض کی اس اُمتِ واحدہ کی داغ بیل مکالمہ سے پڑی۔

☆ منہاج یونیورسٹی لاہور کے وائس چانسلر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد بھی مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے مختصر وقت میں ایک شاندار بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد یقینی بنایا۔ ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد کو ایک یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے منہاج یونیورسٹی لاہور میں میری ٹائم افیئرز کا ایک نیا ڈیپارٹمنٹ قائم کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان طویل ترین سمندری حدود رکھتا ہے اور آنے والے زمانوں کی خوشحالی اور مضبوط معیشت کا میدان سمندر ہوں گے۔ اس نایاب وافر معدنی خزانے کے باوجود پاکستان کا غریب ملک ہونا ان کے نزدیک ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد کا یہ اٹل یقین ہے کہ پاکستان کی مضبوط معیشت کے لئے نئی نسل کو سمندری افیئرز کے بارے میں ٹرینڈ اور ایجوکیٹ کرنا ہوگا۔

☆ 5 ویں ورلڈ ریلجنز کانفرنس کے مشترکہ اعلامیہ میں بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا گیا اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کو اس نوع کی کانفرنسز کو تسلسل کے ساتھ منعقد کرنے کی تحریک دی۔

کانووکیشن منہاج یونیورسٹی

14 نومبر 2022ء کو منہاج یونیورسٹی لاہور سے فارغ التحصیل طلبہ و طالبات کو تقسیم اسناد کے لیے سالانہ کانووکیشن کی تقریب منعقد کی گئی جس میں مختلف تعلیمی شعبہ جات کے 1562 بی ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی اور گریجوایٹس کو ڈگریاں دیں گئیں۔ اس تقریب میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان ڈاکٹر عارف علوی نے خصوصی شرکت کی۔ دیگر مہمانانِ گرامی میں سپیکر پنجاب اسمبلی محمد سبطین خان اور ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے نمایاں افراد شامل تھے۔

صدر پاکستان کے منہاج یونیورسٹی پہنچنے پر ڈپٹی چیئرمین بورڈ آف گورنرز منہاج یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد، رجسٹرار ڈاکٹر خرم شہزاد اور بورڈ ممبر خرم نواز گنڈا پور نے استقبال کیا۔

☆ کانووکیشن سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دامت برکاتہم العالیہ نے خصوصی خطاب کیا۔ انہوں نے طلبہ کو نصیحت کی کہ تعلیم و تحقیق سے اپنا پختہ تعلق قائم کریں اور اپنے اخلاق اور کردار پر توجہ دیں۔ علم ذریعہ روزگار نہیں ہے۔ بلکہ علم خودشناسی اور حق شناسی کا نام ہے۔ طلبہ و طالبات مطالعۂ کتب کی عادت ڈالیں اور زمانہ طالب علمی کا ہر لمحہ حصولِ علم کے لئے وقف کر دیں۔ دین اسلام روز اول سے تعلیم و تحقیق کی ترقی اور خوشحالی کی چابی تعلیم یافتہ باکردار نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔ تربیت کے بغیر تعلیم بے فائدہ ہے۔ ڈگری مکمل کرنا تکمیل کا سفر نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ایک مرحلے کو ختم کر کے اپنی حقیقی منزل کی تکمیل کی طرف روانہ ہونے کا سفر ہے۔ علم حاصل کرنے اور سیکھنے کا عمل تا ابد جاری رہتا ہے۔ حصول علم کا سفر رک جانے سے انسان کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی ارتقاء کا عمل رک جاتا ہے۔ منہاج یونیورسٹی ایک ایسا ادارہ ہے جہاں طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی کی جاتی ہے تا کہ نوجوان جب اپنی تعلیم مکمل کر کے عملی زندگی میں جائیں تو وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار و اوصاف کا مظاہرہ کریں۔ انہوں نے مختلف شعبہ جات میں ڈگری پروگرام مکمل کرنے والے طلبہ و طالبات کو مبارکباد دی اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

☆ کانووکیشن سے خطاب کرتے ہوئے صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان ڈاکٹر عارف علوی نے کہا کہ معیاری تعلیم وتربیت کی فراہمی اور تحقیق کے فروغ کی بدولت منہاج یونیورسٹی نجی تعلیمی شعبے میں ایک بہترین اضافہ ہے۔ ماڈرن ایجوکیشن کے فروغ وترقی، بین المذاہب ہم آہنگی اور امن کے لیے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔ بالخصوص منہاج یونیورسٹی میں 50 فیصد خواتین طالبات کا تعلیم حاصل کرنا خوش آئند ہے۔ تعلیم کے فروغ اور ترقی کے لیے بے خوف ماحول کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ گراس روٹ لیول سے تعلیمی سٹرکچر کو فعال کریں۔ آج کی دنیا میں معیشت پر مبنی علم ترقی کی کنجی ہے، اسی لیے غربت کے خاتمے کے لیے ہمیں تعلیم و تحقیق کو فروغ دینا ہوگا۔ نوجوان نسل ہمارا قیمتی اثاثہ ہیں اور یہی نوجوان ملکی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ ہمیں اسلامی اقدار کی روشنی میں سماجی معیار اور معاشرے کو تبدیل کرنا ہے۔

طلبہ سے مخاطب ہو کر صدر مملکت نے کہا کہ محنت، ایمانداری اور دیانتداری آپ کے رہنما اصول ہونے چاہیں اور یہی علامہ اقبال کا پیغام بھی ہے۔ اس وقت ملک میں ڈھائی کروڑ بچے سکول سے باہر ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے علماء کرام اور وزارت تعلیم کے لوگوں کو مل کر بیٹھنا چاہیے تا کہ آؤٹ آف سکول بچوں کو تعلیمی سرکل میں لایا جاسکے۔ ڈاکٹر عارف علوی نے کہا کہ اپنی تعلیم مکمل کرنے اور ڈگری کے حصول کے بعد آپ جب معاشرے میں اپنے روزگار کے لیے جائیں گے تو آپ اپنی

تعلیم کو لوگوں کے دکھوں کا مداوا بننے میں بھی استعمال کریں اور معاشرے میں مثبت اور اصلاحی اقدامات کے لیے اپنا کردار ادا کریں تاکہ ہم ایک کامیاب معاشرہ تشکیل دے سکیں۔

اس موقع پر صدر پاکستان ڈاکٹر عارف علوی نے منہاج یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی، ایم فل اور بی ایس میں گولڈ میڈلسٹ اور ایوارڈ ہولڈرز طلبہ کو مبارکباد دی۔

☆ سپیکر پنجاب اسمبلی سبطین خان نے تقریب میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مجھے لاء کے طالب علم کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے انرجی سے بھرپور لیکچر سننے کا کا اعزاز حاصل ہے۔ منہاج یونیورسٹی جیسا باکمال ادارہ بنانا انہی کا کمال ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب سے پنجاب یونیورسٹی میں اسلامک لاء پڑھا اور ان کی تصانیف سے بہرہ مند ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منہاج یونیورسٹی عصرِ حاضر کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی اخلاق تربیت کا فریضہ بھی انجام دے رہی ہے جو کہ خوش آئند ہے۔ اللہ تعالی ڈاکٹر طاہرالقادری کو انسانیت کی خدمت کی مزید ہمت عطا فرمائیں۔

☆ ڈپٹی چیئرمین بورڈ آف گورنرز منہاج یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اپنے خطاب میں صدر پاکستان ڈاکٹر عارف علوی کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ ماڈرن ایجوکیشن، ریسرچ اور تربیت منہاج یونیورسٹی لاہور کا طرہ امتیاز ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے 1986ء میں منہاج یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا تا کہ پاکستانی نوجوانوں کی بہترین وژن اور درست سمت میں تعلیم و تربیت کی جاسکے۔ شیخ الاسلام نے منہاج یونیورسٹی لاہور کی صورت میں ایک ایسے تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی جس کی قوم کو صحیح معنوں میں ضرورت تھی اور یہ ادارہ تین دہائیوں سے ملک کا نام روشن کر رہا ہے۔

قیام پاکستان سے قبل سرسید احمد خان نے مسلم کمیونٹی کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے علی گڑھ جیسا تعلیمی ادارہ دیا جبکہ شیخ الاسلام قوم کو ایسے سیکڑوں ادارے دینے کا ارادہ رکھتے ہیں جن کے فارغ التحصیل افراد بھی سائنس، جدید علوم و فنون اور اعلیٰ اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں اور اسلام کی روحانی اقدار کے مطابق زندگی بسر کریں۔ منزل کے حصول کے لیے طلبہ مسلسل استقامت اور عزم کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے مستقبل کا تعین کریں کیونکہ کامیاب کیریئر کے لیے محنت لگن اور سچا جذبہ ضروری ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور امن کے فروغ کے لیے منہاج یونیورسٹی میں پاکستان میں اپنی طرز کا واحد ڈیپارٹمنٹ ریلیجن اینڈ فلاسفی قائم کیا گیا ہے جس میں تمام مذاہب سے وابستہ طلبہ اپنے مذہب کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہیں اس شعبے کے قیام کو پاکستان سمیت عالمی سطح پر دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے سراہا ہے جبکہ منہاج یونیورسٹی کی اسلامک اسٹڈیز میں ٹاپ کرنے والے طلبہ کے لیے سکھ کمیونٹی نے گولڈ میڈل بھی متعارف کرایا ہے۔ انہوں نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ زندگی بھر اپنے علم کو وسیع کرتے رہیں کیونکہ ڈگری کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ کا سیکھنے کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی شروع ہوا ہے۔

☆ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد نے ڈپٹی چیئرمین ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی اجازت سے کانووکیشن کی تقریب کے آغاز کا اعلان کیا اور خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں منہاج یونیورسٹی لاہور کا تعارف اور مختلف ڈگری پروگرامز کے بارے میں شرکاء کانووکیشن کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ دنیا تیزی سے بدل رہی ہے اور ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ لہذا طلبہ کو چاہیے کہ وہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ جدید علوم میں دسترس حاصل کریں کیونکہ موجودہ دور میں آگے بڑھنے کے لیے طلبہ کو جدید عصری تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنا ہوگا منہاج یونیورسٹی لاہور اپنے بہترین ڈگری پروگرامز اور معیاری تعلیم و تربیت کی بدولت نجی تعلیمی شعبے میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔

☆ سپیکر محمد سبطین خان اور دیگر مہمانانِ گرامی نے نے کانووکیشن میں مختلف تعلیمی شعبہ جات کے طلبہ میں ڈگریاں اور سوینئرز تقسیم کیے۔

❁❁❁❁❁

موضوعاتی اشاریہ ماہنامہ منہاج القرآن سال 2022ء

ا۔ ایمان/ اسلام/ عبادات

انفاق اور جذبۂ ایثار	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	جنوری 2022ء
رمضان المبارک اور تحائفِ خداوندی	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	اپریل 2022ء
عبادات کی بحُسن وخوبی ادائیگی	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	اپریل 2022ء
قول وفعل میں ہم آہنگی۔ صفتِ مومن	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	مئی 2022ء
ماہ صیام کے بعد اعمالِ خیر پر استمرار و دوام	محمد علی قادری	مئی 2022ء
حج اور قربانی کی فضیلت و اہمیت	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	جولائی 2022ء

۲۔ عظمت و مقامِ مصطفیٰ ﷺ اور سیرت النبی ﷺ

انسانی قدروں اور رشتوں کا احترام (سیرت النبی ؐ کی روشنی میں)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	اکتوبر 2022ء
جشنِ عید میلاد النبی ﷺ: آداب اور تقاضے	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	اکتوبر 2022ء
بعثتِ مصطفیٰ ﷺ: اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	اکتوبر 2022ء
نبی رحمت ﷺ کا اندازِ دعوت وتبلیغ	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	اکتوبر 2022ء
عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ	محمد شفقت اللہ قادری	اکتوبر 2022ء
ریاستِ مدینہ اور مصطفوی نظامِ حکومت	احسان حسن ساحر	اکتوبر 2022ء
محبتِ رسول ﷺ: اہمیت اور تقاضے	محمد ذکوان ندوی	نومبر 2022ء
احیائے سنت اور اتباعِ رسول ﷺ: تقاضائے محبت	محمد ذکوان ندوی	دسمبر 2022ء

۳۔ خلفاء راشدین/ صحابہ کرام/ اہلِ بیت اطہار ؓ/ شہادت امام حسین علیہ السلام

حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور اصلاحِ معاشرہ	ڈاکٹر شفاقت علی بغدادی	جنوری 2022ء
حضرت عثمان غنی ؓ (حیات وتعلیمات)	ڈاکٹر محمد اکرم رانا	جولائی 2022ء
شانِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	اگست 2022ء
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسین	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	اگست 2022ء

۴۔ اصلاحِ احوال/ روحانیات

سخاوت نفس؛ نفئ ذات اور وسعتِ قلوب کا نام ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	جنوری 2022ء
محبتِ اولیاء کے ثمرات اور اولیاء کی بنیادی صفات	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	جنوری 2022ء
لذتِ توحید اور بُکا	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	اپریل 2022ء
صوفیائے کرام کی تعلیماتِ امن	ڈاکٹر محمد اکرم رانا	اپریل 2022ء

محبتِ الٰہی اور شوقِ ملاقات	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	مئی 2022ء
طہارۃ القلوب (روحانی امراض اور ان کا علاج)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	جون 2022ء
اقسامِ قلب اور اچھے و برے خیالات کا القاء	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	جولائی 2022ء
تقویٰ ولایت کی کنجی ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	ستمبر 2022ء
محبوبانِ خدا کے تذکار اور اصلاحِ احوال کے افکار	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	ستمبر 2022ء
تصوف اور فقہ کا باہمی تعلق	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	ستمبر 2022ء
تعلیماتِ غوثیہ: مذہبی اور روحانی احوال کی اصلاح	محمد محبّ اللہ اظہر	نومبر 2022ء

۵۔ اخلاقِ حسنہ

عفو و درگزر اور رواداری کی اہمیت و فضیلت	محمد شفقت اللہ قادری	جنوری 2022ء
خدمتِ خلق: خدمتِ حق کا زینہ	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	جولائی 2022ء
انسانی اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	دسمبر 2022ء

۶۔ تعلیم و تربیت

ادب العلم و ادب النفس	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	ستمبر 2022ء
حصولِ علم۔۔۔ مقصدِ حیات	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	ستمبر 2022ء
علم؛ وسعتِ نظری اور تحرک کا نام ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	دسمبر 2022ء
تدریس اور اختلاف کے آداب	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	دسمبر 2022ء

۷۔ امن و سلامتی/ انسدادِ دہشت گردی و انتہا پسندی/ بین المذاہب ہم آہنگی

انتہا پسندی اور متشدد رویے ایک کھلا چیلنج	چیف ایڈیٹر	جنوری 2022ء
دہشت گردی کی نئی لہر اور اسلام کا امن بیانیہ	چیف ایڈیٹر	اپریل 2022ء
غیر مسلموں کے حقوق اور بین المذاہب ہم آہنگی	محمد شفقت اللہ قادری	اپریل 2022ء
سوسائٹی میں بڑھتا ہوا عدمِ برداشت اور اس کا حل	چیف ایڈیٹر	جون 2022ء
عدمِ برداشت اور تلخ نوائی فساد فی الارض کی ایک بڑی وجہ ہے	چیف ایڈیٹر	نومبر 2022ء

۸۔ فقہی سوالات

حالتِ غربت و مظلومیت کو تقدیر پر محمول کرنا کیسا ہے؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	مئی 2022ء
برادری سسٹم اور حقِ شفعہ کے بارے اسلامی تعلیمات	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	جون 2022ء
سرمایہ کاری کی مستحسن صورت: بیع مضاربہ	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	اگست 2022ء
کیا قبولِ اسلام کے لیے عمر کی حد مقرر ہے؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	ستمبر 2022ء
بچوں کی تادیب کا حکم؟ ڈالرز کی ذخیرہ اندوزی؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	نومبر 2022ء
نوجوان نسل پر ثقافتی اور نظریاتی حملے/ضروریاتِ دین	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	دسمبر 2022ء

۹۔ معاشرت

نظم وضبط اور بیداریٔ شعور کی مہم	چیف ایڈیٹر	مئی2022ء
معاشرتی تعمیر اور کردار سازی کے اصول	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	مئی2022ء
ناپ تول کا نظام اور کوالٹی کنٹرول	محمد افضل قادری	جولائی2022ء
ہجرتِ مدینہ اور جذبۂ مواخات	محمد فاروق رانا	اگست2022ء
انسان اور جذبۂ دوستی	ڈاکٹر نعیم مشتاق	اگست2022ء
سوشل میڈیا کی اخلاقیات	نوراللہ صدیقی	اگست2022ء
آزادیٔ اظہار کا حق اور تعلیماتِ اسلام	چیف ایڈیٹر	ستمبر2022ء

۱۰۔ پاکستانیات

14 اگست: یومِ آزادی اور نظریۂ پاکستان	چیف ایڈیٹر	اگست2022ء
یوم آزادی۔۔۔ یومِ احتساب	ڈاکٹر صفدر محمود	اگست2022ء
پانی کا بحران اور ناگزیر منصوبہ بندی	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	اگست2022ء
رحمتِ حق کو متوجہ کرنے کے ذرائع (سیلاب کی تباہی کے تناظر میں)	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	اکتوبر2022ء
پاکستان کا معاشی بحران اور اس کا حل	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	دسمبر2022ء

۱۱۔ شخصیات

حضرت فریدِ ملت کے لیے گولڈ میڈل	نوراللہ صدیقی	اپریل2022ء
حضرت فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ	محمد شفقت اللہ قادری	مئی2022ء
محبوبِ بارگاہِ غوث الاعظمؓ: حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدینؒ	محمد شہزاد رسول	جون2022ء
سیدنا غوث الاعظم ﷜ کی سیرت اور شانِ محبوبیت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	نومبر2022ء
سیدنا غوث الاعظمؓ: شانِ تکوینی اور علمِ لدنی کے حامل	محمد شفقت اللہ قادری	نومبر2022ء
قانون کی پاسداری اور بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ	نوراللہ صدیقی	دسمبر2022ء

۱۲۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری (شخصیت و خدمات)

شیخ الاسلام: ایک فکر، ایک تاریخ، ایک تحریک	چیف ایڈیٹر	فروری+مارچ2022ء
مجدّد دہر دور کی عبارت کا حرف ہوتا ہے	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	فروری+مارچ2022ء
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری: ایک عظیم رول ماڈل	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	فروری+مارچ2022ء
علوم القرآن کا فروغ: شیخ الاسلام کی خدمات کا ایک تجدیدی پہلو	علامہ غلام مرتضٰی علوی	فروری+مارچ2022ء
کتبِ حدیث کے تراجم الابواب: عظیم اجتہادی کاوش	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	فروری+مارچ2022ء
علومِ عربیہ پر شیخ الاسلام کی دسترس: ایک جائزہ	ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی	فروری+مارچ2022ء
مدارسِ دینیہ میں نصابی اصلاحات: ایک عظیم تحفہ	عین الحق بغدادی	فروری+مارچ2022ء
ڈاکٹر محمد طاہرالقادری: گلستانِ صد ہزار رنگ	حافظ شفیق الرحمٰن	فروری+مارچ2022ء

راہِ حق کا مسافر	مظہر برلاس	فروری+مارچ2022ء
2021ء: شیخ الاسلام کی علمی وفکری اور تحقیقی خدمات کا جائزہ	محمد فاروق رانا	فروری+مارچ2022ء
کلماتِ حکمت	حنا وحید	فروری+مارچ2022ء
Worldwide Recognition of Shaykh-ul-Islam Dr. Tahir-ul-Qadri's Global Efforts (M. Farooq Rana)		فروری+مارچ2022ء
بین المذاہب ہم آہنگی اور شیخ الاسلام کا کردار	محمد شفقت اللہ قادری	جون2022ء
شیخ الاسلام ایک ہمہ جہت شخصیت	قاضی تجمل حسین	اگست2022ء
علمی انداز اور شگفتگیٔ بیاں: شیخ الاسلام کے نمایاں پہلو	جاوید ندوی	اگست2022ء
یزید کے کُفر اور اُس پر لعنت کا مسئلہ؟ (شیخ الاسلام کی نئی تحقیقی و تاریخی کاوش کا اِجمالی تعارُف)	محمد فاروق رانا	ستمبر2022ء
کشمیری زبان میں ترجمہ ”عرفان القرآن“ کی اشاعت	ڈاکٹر پیرزادہ مقصود احمد	ستمبر2022ء
شیوخ الازہر کے تحریک اور قائدِ تحریک کے بارے تاثرات	ڈاکٹر شفاقت علی بغدادی	نومبر2022ء

۱۳۔ تحریک منہاج القرآن/ PAT / مرکزی فورمز

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی فروغِ تعلیم کیلئے خدمات	نوراللہ صدیقی	جولائی2022ء
تحریک منہاج القرآن کا 42واں یومِ تاسیس	چیف ایڈیٹر	اکتوبر2022ء
42ویں یومِ تاسیس کے موقع پر شیخ الاسلام اور مرکزی قائدین کے پیغامات		اکتوبر2022ء
گنبدِ خضریٰ کا فیضان منہاج القرآن	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	اکتوبر2022ء

۱۴۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 8 برس: قانونی جدوجہد کا اجمالی جائزہ	نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ	جون2022ء

۱۵۔ پروگرامز: شیخ الاسلام/ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری/ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا لاہور بار ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام فکری نشست سے خطاب		جنوری2022ء
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ یورپ (رپورٹ)	جی ایم ملک	اپریل2022ء
ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی دوحہ فورم 2022ء میں شرکت (رپورٹ)		مئی2022ء
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ یورپ (رپورٹ)	جی ایم ملک	مئی2022ء
مولائے رومؒ، حکیم الامتؒ اور شیخ الاسلام (کانفرنس) ڈاکٹر حسن محی الدین خطاب (رپورٹ)	قاضی فیض الاسلام	اگست2022ء
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا دورہ برطانیہ (رپورٹ)	جی ایم ملک	ستمبر2022ء

۱۶۔ تحریکی سرگرمیاں (مرکزی اور اندرون و بیرون ملک)

منہاج یونیورسٹی کانووکیشن (رپورٹ)		جنوری2022ء
منہاج یوتھ لیگ کے زیرِ اہتمام دو روزہ نیشنل یوتھ ایوارڈ تقریب (رپورٹ)		جنوری2022ء
نظام المدارس پاکستان کے زیرِ اہتمام تین روزہ ٹیچرز ٹریننگ ورکشاپ (رپورٹ)		جنوری2022ء

نظامتِ تربیت کے زیرِ اہتمام دو روزہ ٹریننگ ورکشاپ (رپورٹ)		جنوری2022ء
منہاج کالج مانچسٹر اور MQI کینیڈا کے زیرِ اہتمام کانفرنسز سے حماد مصطفی المدنی کے خطابات		جنوری2022ء
منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن واہ کینٹ اور فیصل آباد کے زیرِ اہتمام اجتماعی شادیوں کی تقاریب		جنوری2022ء
ترکی کے وزیر مذہبی امور کا خصوصی دورہ منہاج القرآن	سہیل احمد رضا	اپریل2022ء
قائد ڈے تقریبات 2022ء (رپورٹس)		اپریل2022ء
اعتکاف ہدایات 2022ء		اپریل2022ء
MWF کے زیرِ اہتمام 25 اجتماعی شادیاں	سید امجد علی شاہ	مئی2022ء
شہرِ اعتکاف 2022ء (رپورٹ)	محمد یوسف منہاجین	جون2022ء
25 ہزار مراکزِ علم کے قیام کا اعلان	چیف ایڈیٹر	جولائی2022ء
تقریب عرس مبارک حضرت فرید ملت ؒ (رپورٹ)	حافظ عبدالقدیر قادری	جولائی2022ء
پیغامِ امامِ حسینؑ واتحادِ امت کانفرنس (رپورٹ)	محمد جواد حامد	ستمبر2022ء
خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2022ء		اکتوبر2022ء
عالمی میلاد کانفرنس 2022ء (رپورٹ)	محبوب حسین	نومبر2022ء
کانووکیشن جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن (رپورٹ)	محمد پرویز بلال	نومبر2022ء
کانووکیشن: منہاج یونیورسٹی (رپورٹ)	نوراللہ صدیقی	دسمبر2022ء
منہاج یونیورسٹی میں ورلڈ ریلیجنز کانفرنس کا انعقاد (رپورٹ)	نوراللہ صدیقی	دسمبر2022ء

قائد ڈے نمبر فروری 2023ء

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 72 ویں سالگرہ کے موقع پر حسبِ روایت امسال بھی ماہنامہ منہاج القرآن قائد ڈے نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل کررہا ہے۔ یہ شمارہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ، قومی و بین الاقوامی سطح پر امن و محبت کی ترویج اور بیداریٔ شعور کے لیے کی جانے والی ہمہ جہتی خدمات پر مشتمل ہوگا۔

اس سلسلے میں آپ بھی ماہنامہ منہاج القرآن کو اپنی خصوصی معیاری تحریریں بھجواسکتے ہیں۔

قائد ڈے کے موقع پر آپ کی طرف سے **مبارکبادی پیغامات** کی صورت میں اشتہارات کی بکنگ بھی جاری ہے۔

آپ اپنی تحریر، مضامین اور اشتہارات سے متعلقہ اشاعتی مواد مورخہ 8 جنوری 2023ء تک ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور ارسال کرسکتے ہیں۔

فون: 042-111-140-140 Ext-128، mqmujallah@gmail.com

منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ورلڈ ریلیجنز کانفرنس کا انعقاد

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
DEC-2022
Regd CPL No.41

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی **615** سے زائد کتب دستیاب ہیں